آسیہ رئیس

# لکیریں

digest novels lovers group ❤️❤️

دونوں نے اس بے یقینی سے دیکھا کہ اسے دہرانا پڑا۔

"میں امینہ ریاض الدین اپنے باپ کے گھر رہنے آئی ہوں۔"

"انہوں نے بلایا ہے تمہیں؟" نیلوفر پہلے سنبھلیں۔

"انہوں نے؟" اس نے انہیں کے انداز میں پوچھا۔

"تمہارے باپ نے؟" اب کے ان کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

"نہیں۔"

"پھر؟"

"میں امینہ ریاض الدین اپنے باپ کے گھر رہنے آئی ہوں۔" اب کے اس نے چبا چبا کر کہا۔

"آپ ابا کو فون کریں۔" ثاقب نے نوالہ رکابی میں چھوڑ کر ماں سے کہا۔ اس کی بھوک ختم ہو گئی تھی۔

امینہ دروازے سے آگے بڑھی اور دیوان پر بیٹھ کر بیگ شانے سے اتار کر فرش پر رکھ دیا۔ سامنے کھانے کی میز کے قریب کھڑی نیلوفر اور کرسی پر بیٹھے ثاقب کی نگاہوں میں ناگواری کے ساتھ ساتھ اب غصہ بھی جھلکنے لگا تھا۔ داخلی دروازہ کھول کر گھر کے اندر تک آنا الگ اور اب اس بے تکلفی سے کرو عبور کرنا دونوں کو بہت برا لگا تھا۔

وہ ان سے لاتعلق سی گھر کا جائزہ لینے لگی۔ متوسط طبقے کے مناسب سے مکان کی تزئین بھی

Scanned with CamScanner

# مکمل ناول

ٹھیک ٹھاک تھی۔ اس کے دو کمروں کے کرایے کے مکان کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ صحن پار کرتے ہوئے اس نے بائیں طرف کا رہائشی حصہ بھی دیکھا تھا۔ جہاں شاید کرایے دار تھے۔

''اونہہ! ہمیں یہ حصہ بھی تو دیا جا سکتا تھا۔'' اس نے تنفر سے سوچا تھا۔ نیلوفر کینہ توز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے شوہر کو فون لگا چکی تھیں۔

''ہیلو......'' وہ اندر چلی گئیں۔

Scanned with CamScanner

تائب سامنے بیٹھی سوتیلی بہن کو سارے زمانے کی اکتاہٹ اور ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جس کا استحقاق بھرا انداز اسے زہر لگ رہا تھا۔ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی نظر تائب پر ٹھہر گئی۔ نیلوفر کے واپس آنے تک دونوں میں سے کسی نے نظریں ہٹانے میں پہل نہیں کی۔

"آرہے ہیں تمہارے ابا، تم کھانا کھاؤ۔" انہوں نے بیٹے سے کہا۔

"مرگئی میری بھوک۔" اس نے اس 'موت' کی وجہ پر ایک شعلہ بار نظر ڈالی۔

"فضول باتیں نہ کرو، کھانا ختم کرو۔" وہ پہلے ہی اس افتاد پر چڑی ہوئی تھیں۔ اینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میز کی سمت بڑھی۔

"بھوک نہیں ہے تو کیسے کھاؤں؟" وہ عام حالات میں مروت کا قائل نہیں تھا پھر یہ تو بڑی غیر معمولی صورت حال تھی۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی کھسکا کر اس پر بیٹھ گئی۔

"مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" اس نے اس کے سامنے سے رکابی اٹھا کر اپنے سامنے رکھی اور روٹی کا نوالہ توڑا۔

تائب اور نیلوفر کی حیرت اور غصہ آسمان کو چھونے لگا۔ تائب نے زوردار آواز کے ساتھ کرسی چھوڑی اور کمرے سے نکل گیا۔ نیلوفر نے بے نیازی سے کھانے سے انصاف کرتی اس مصیبت کو دیکھا جس پر ان کی نگاہوں یا ناگواری کا کوئی اثر نہیں تھا وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اندر چلی گئیں۔

☆☆☆

تائب کی مخصوص دھپ دھپ پر سُنینا نے خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے دروازے کی سمت سے رخ موڑ کر خود کو اور جھکا لیا۔ برآمدے میں آتے ہی شوخی سے 'نین' پکارنے یا کچھ کہنے کے بجائے وہ اندر آکر پلنگ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔ وہ جو اس کی چار باتوں کے بعد ایک کا جواب دیتی تھی، اس کے کچھ کہنے کا انتظار کرنے لگی۔

خاموشی کے بڑھتے دورانیے پر اسے ذرا تشویش نے گھیرا مگر اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح کسی بھی قسم کے تاثر سے مبرا تھا۔ وہ اس کی طرف کروٹ لینے لگا تو وہ مزید لنگنے پر جھک گئی جس پر وہ اس کی آمد سے پہلے چمکیلے معنوعی نگینے چپکا رہی تھی۔

"یہ تم اتنا بے نیاز کیسے رہ لیتی ہو؟" اس کے چہرے پر نظر کرتے ہی تائب سب بھول جاتا تھا، جیسے اس وقت اینہ اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ معمول کی طرح وہ چپ چاپ اپنا کام کرتی رہی۔

"نین!" وہ زیادہ دیر اس کے سامنے ضبط نہیں کرسکتا تھا۔

"جس دن مجھے تمہاری بے رخی اور نظرانداز ی کا بدلا لینے کا موقع ملا اس دن تم کیا کرو گی؟ کیونکہ پھر میں جو کروں گا' اسے سہنے کی تم میں کیا دنیا کے کسی انسان میں اتنی برداشت نہیں ہو سکتی!" وہ گویا اسے ڈرا رہا تھا۔

"میں اس کرہ ارض پر بسا واحد انسان ہوں جو محبت کے جواب میں ایسی اور اس قدر بے اعتنائی سہہ جاتا ہے۔"

اس کے پاس کئی جواب تھے۔

"تو نہ کرو برداشت۔"

"کس نے کہا سہنے کو؟"

"محبت ہی کیوں کرتے ہو؟"

راستہ بدل لو یا محبوب ہی بدل ڈالو۔"

مگر وہ اس طرح اپنے کام میں مگن تھی گویا وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ وہ جانتی تھی، جواب سے مزید سوال اور بات سے بات نکلتی ہے اور پھر بندہ پھنس جاتا ہے

خاص طور پر اس وقت جب دل میں چور بھی ہو۔

گن گن کر نہ سہی رقلی بدلے لوں تب بھی زندگی کم پڑے گی۔" اس نے حسب دستور منہ بند رکھا۔

"میری نہیں تمہاری زندگی۔" اس نے



Scanned with CamScanner

وضاحت ضروری سمجھی کہ شاید اس پر وہ بت کلام کر لے لیکن یہ بت پکا تھا۔

"تم جیسا ظالم اس زمین پر کہیں اور نہیں۔"

اسے کچھ دیر یونہی بے نیازی سے لٹکنے پر ساری توجہ مرکوز کیے تکنے کے بعد اس نے اعلان کیا۔

"لیکن اچھی بات یہ ہے کہ میرے جیسا مستقل مزاج بھی کوئی دوسرا نہیں۔" وہ مسکرا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں کھانا چھوڑ کے آیا ہوں۔" کہتے ہی اسے وہ مصیبت یاد آگئی اور منہ کا ذائقہ پہلی بار سننا کی موجودگی میں بھی کسیلا ہو گیا۔

"آج خالہ نے کوبھی تو نہیں بنائی۔" اس نے نگینہ ڈیزائن میں جگہ پر رکھتے ہوئے معروف انداز میں کہا۔ صبح گلی میں آنے والے سبزی فروش سے اس نے اور نیلوفر نے ایک ساتھ سبزی خریدی تھی۔

"ابا کی بیٹی آگئی ہے۔" اسے اس کے الفاظ یاد آئے اور اس نے وہی دہرائے۔ "اپنے باپ کے گھر رہنے۔"

"اب کے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کون؟"

"امینہ ریاض الدین۔" اس نے جیسے تصور میں اسے دانتوں تلے کچلا۔

"تمہاری بہن...... وہ......" وہ چپ ہو گئی۔ اس کے سامنے یہ ذکر مناسب نہیں تھا۔

"وہ ہی! اب مجھے کچھ کھانے کو ہے تو دو کیونکہ بہت بھوک لگی ہے، آج کینٹین بھی نہیں گیا تھا، پتا ہوتا تو آتا ہی نہیں گھر۔" اس نے اپنے پیروں پر پھیلایا لہنگا احتیاط سے نیچے رکھا اور باقی ساز و سامان ایک طرف سرکا کر اٹھ گئی۔

وہ گھر میں لاکھ نخرے کرے لیکن یہاں وہ جو اس کے آگے رکھ دیتی' رغبت سے کھا لیتا تھا۔ ایک بار اس نے کہہ دیا تھا۔

"کتنی غلط بات ہے' اپنی امی کے کھانے میں نقص نکالتے ہو، نخرے دکھاتے ہو اور یہاں پتلی دال بھی چپ چاپ کھا لیتے ہو، شرم نہیں آتی؟"

"نہیں آتی۔ امی کو کچن میں جو میسر ہے' وہ تمہیں نہیں ہے اور یہ دل کے معاملات ہیں، دوسرے تم کو نخرے دکھاؤں گا تو تم امی کی طرح ڈانٹ کر دو باتیں نہیں سناؤ گی بلکہ......"

"بھوکا ہی باہر نکال دوں گی۔" وہ اس کا جملہ مکمل کرتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔

"تم ایسا کبھی نہیں کر سکتیں کہ تمہارے جسم کے خلیے پروٹین سے نہیں مروت سے بنے ہیں۔" وہ ایسی ہی الٹی سیدھی ہانکتا تھا۔

اس نے آلو کی بھجیا گرم کرنے رکھی اور فریج سے گندھا آٹا نکال کر روٹیاں بنانے لگی۔ وہ سفیر کے آنے پر اس کے لیے تازہ روٹی بناتی تھی۔ آٹا اس کے لیے ہی رکھا تھا۔

"اس عنایت کا جواب بھی ادھار کھاتے میں درج کر لیا ہے۔" اس کے آگے بھجیا اور گرم گرم روٹیاں رکھ کر پلٹ رہی تھی کہ اس کے جملے پر اسے گھور کر دیکھا۔

"کیسا ادھار؟

"نہیں کہہ سکتا وہ 'سنسرڈ' ہے۔" اس نے یوں متانت سے سمجھایا جیسے وہ سننے کے لیے ضد کر رہی ہو۔ وہ ایک ملامتی نظر اس کے سپرد کر کے باورچی خانے میں آ کر آٹا گوندھنے لگی کہ سفیر آئے تو دیر نہ ہو۔

☆☆☆

امینہ نے اطمینان سے کھانا ختم کیا پھر اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے پر راہداری کے آخری سرے پر واش بیسن نظر آ گیا۔ ہاتھ دھو کر واپس ہال میں آئی اور دیوان پر رکھا گاؤ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئی۔ محمودہ اور صبا کا خیال آیا تو اس نے بیگ سے فون نکالا۔ صبا کا میسج تھا۔

"پہنچ گئیں؟"

"ہاں۔" اس نے بھی اتنا ہی جواب لکھ کر فون رکھ دیا۔

اس نے طے کر لیا تھا' مزید سسکتے اور ترستے



Scanned with CamScanner

زندگی نہیں گزارے گی۔ ماں کی غلطی اور جلد بازی کی سزا مزید نہیں بھگتے گی۔ اسے امید نہیں تھی کہ یہاں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا یا اس کے سگے ابا ہی خوش دلی سے اس کا استقبال کریں گے لیکن وہ اپنا حق اور اپنی جگہ لینا اچھی طرح جانتی تھی اور لینے کی ٹھان چکی تھی۔ اسے ماں سے یہی شکوہ تھا کہ ایک تو انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، چلو وہ کر ہی لیا تھا تو حق کسی طرح نہ چھوڑتیں کہ اب بھی وہ ان کی قانونی اور شرعی پہلی بیوی تھیں اور ساتھ دو بیٹیاں بھی تھیں۔

ریاض الدین بھاگتے دوڑتے گھر پہنچے تو وہ دیوان پر بے خبر سو رہی تھی۔ انہوں نے اسے پیدائش کے دوسرے دن پہلی بار دیکھا تھا۔ اس دن انہوں نے محمودہ کو حتمی اور آخری پیشکش کی تھی کہ وہ واپس آنا چاہتی ہیں تو آجائیں لیکن انہیں نیلوفر کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہنا ہوگا جو محمودہ کو منظور نہیں تھا۔

ان کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ دونوں کو الگ رکھیں، وہ نیلوفر کے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔

وہ ملاقات ہی ان کی بیوی اور بیٹی سے آخری تھی۔ گزرے وقت میں انہیں بھی کبھار ہی بیٹیاں یاد آئی تھیں۔

وہ مطمئن تھے کہ وہ تو پہلی بیوی کو ساتھ رکھنے کو تیار تھے لیکن وہ سوتن کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کے مطابق ان کی اس کوشش کے بعد آگے کے حالات کے وہ ذمہ دار نہیں تھے۔ اب ان تینوں کے ساتھ جو اور جیسا بھی ہوا اس کی ذمہ دار اور قصوروار ان کی پیشکش ٹھکرانے والی تھی۔ ان کا ضمیر بھی لعنت ملامت سے ہاتھ جھاڑ چکا تھا۔

وہ اپنے دونوں بیٹوں اور بیوی کے ساتھ اپنی زندگی میں مگن تھے کہ آج اچانک نیلوفر کے فون نے ان کے سر پر آسمان گرا دیا۔

”یہ ضرور محمودہ کی کوئی سازش ہوگی۔“ فون سنتے ہی پہلا خیال انہیں یہی آیا تھا۔ اب بھی اسے سوتا دیکھ کر ان کے اندر کروٹ لے رہی پدرانہ شفقت پر سازش، منصوبہ، مصیبت، کوفت جیسے احساسات غالب آگئے۔ وہ کمرے میں آئے تو نیلوفر بھری بیٹھی تھیں۔

”یہ کیا تماشا ہے اب؟“

”تمہاری طرح مجھے بھی کوئی علم نہیں اور میرے لیے بھی حیرانی کی بات ہے۔“

”فون کریں اُسے، کہیں لے جائیں اپنی بیٹی کو یہاں سے۔“ نیلوفر جلد غصہ ہونے والوں میں نہیں تھیں لیکن یہ معمولی بات بھی نہیں تھی۔

”کیا کہا اس نے؟“ وہ بیٹی کا نام لیتے بھی جھجک رہے تھے۔

”میں امینہ ریاض الدین اپنے باپ کے گھر رہنے آئی ہوں۔“ انہوں نے زہر خند لہجے میں زہر سے الفاظ دہرائے۔

”تائب کہاں ہے؟“ انہیں خیال آیا۔

”اس کے سامنے ہی آئی تھی اور وہ کھانا کھائے بنا ہی کہیں نکل گیا ہے، پاپا کی طرف ہوگا۔“ انہیں ایک بار پھر اس کی ڈھٹائی یاد آئی تو کلس کر رہ گئیں۔

”اور صہیب؟“

”وہ ابھی آیا نہیں۔“

وہ ان دونوں کے آنے سے پہلے یہ معاملہ نپٹانا چاہتے تھے۔ لباس تبدیل کر کے ہال میں آئے تو وہ جاگ چکی تھی۔

انہیں دیکھ کر اس نے سلام بھی نہیں کیا۔ باپ سے اس کا تعارف پرانی تصویروں سے تھا۔ پہلی بار انہیں ’اصلیت‘ میں دیکھ رہی تھی۔ ان کی شکل اب تصویروں جیسی نہیں رہی تھی۔ وہ خود کو جتنا ’پریکٹیکل‘ جس کے معنی اس کی لغت میں بے حس کے تھے، گردانتی تھی اس کے مطابق وہ ایسے موقعوں پر جذباتی ہونے کی صلاحیت سے محروم تھی۔

پھر بھی انہیں دیکھتے اس کی زبان اور بدن ساکت ہوگئے بھرپور۔ جسم میں عجیب سی سنسنی دوڑ گئی اور آخر میں اس نے سختی سے مٹھیاں بند کرلیں کہ ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔



Scanned with CamScanner

ریاض الدین کے سامنے جوان بیٹی تھی اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کریں کیا کہیں۔ جذباتی وابستگی کا فقدان بھی اس مشکل کی وجہ تھا ورنہ آگے بڑھ کر گلے بھلے نہ لگاتے سر پر ہاتھ تو رکھ ہی سکتے تھے۔ ان دونوں کو باری باری گھورتی نیلوفر کو ہی آخر شوہر کو جگانا پڑا۔

اب کچھ کہیں بھی۔""

"کیسے آئی ہو یہاں؟" وہ بخت لہجے میں پوچھنا چاہ رہے تھے مگر ایسا لگا جیسے زبردستی کوئی ان سے بلوا رہا ہے۔

"رکشا سے۔"

"میرا مطلب ہے، کیوں آئی ہو؟" اب کے آواز میں ذرا جھنجلاہٹ تھی۔

"یہاں رہنے۔" وہ پہلے جھٹکے اور اس کے اثرات سے سنبھل گئی تھی۔

"تمہاری ماں کو علم ہے؟"

"جی، انہیں بتا کر آئی ہوں۔"

"اس نے آنے دیا؟" لہجہ حیرت زدہ تھا۔

"میں ایک بار کچھ طے کر لوں تو پھر مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے ان کے بعد نیلوفر کو دیکھا جن کا پارہ حد پار کرنے والا تھا۔

"دیکھو!" وہ آگے آئے۔ "اگر تمہاری اپنی امی سے کچھ ناراضی ہو گئی ہے تو میں فون پر بات کرتا ہوں ایسے......"

"زندہ ہیں یا مر گئیں تک کی خبر نہیں رکھی اور اب بیٹی کو گھر سے بھگانے کے لیے بائیس سال بعد انہیں فون کریں گے؟"

"وہ اپنی مرضی سے گئی تھی اور تمہیں ساتھ رکھنے کا فیصلہ بھی اسی کا تھا۔" انہیں غصہ آنے لگا۔

"تب میری مرضی کسی نے نہیں پوچھی تھی، اب میں اپنی مرضی کی مالک ہوں اور اپنے باپ کے گھر، ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں اور اس سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا، نہ امی نہ آپ نہ قانون۔"

آخری بات پر وہ بیچ میں تلملا گئے۔ وہ صاف


ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021




Scanned with CamScanner

دھمکی دے رہی تھی۔

"اتنے سال آپ اپنی ذمہ داریوں سے بچتے رہے، دین اور دنیا دونوں اعتبار سے گناہ کے مرتکب ہوئے۔

اب میں آپ کو کفارے کا موقع دے رہی ہوں۔" انہوں نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ نیلوفر کو آگے گھمسان کا رن صاف نظر آرہا تھا۔

"تمہیں کچھ چاہیے؟، کسی پریشانی میں پھنس گئی ہو؟، کوئی مسئلہ ہے......؟" اچانک وہ باپ کے گھر آنے کی ساری ممکنہ توجیہات سوچ کر پوچھنے لگے۔

"مجھے وہ سب چاہیے جواب تک نہیں ملا، وہ سب جو آپ کو مجھے دینا چاہیے تھا جو آپ کا فرض اور میرا حق تھا۔"

وہ بدتمیزی اور غصے سے بات نہیں کر رہی تھی ایسا ہوتا تو انہیں اسے جواب دے کر باہر نکالنا آسان تھا۔ وہ جام لیکن مضبوط لہجے میں پورے اعتماد سے بول رہی تھی اور نیلوفر جان گئیں' وہ جام لڑکی نہیں ہے اور خطرناک بات یہ تھی کہ وہ جذباتی نہیں تھی۔

"اچانک اس طرح بنا اطلاع کے کسی کے گھر آدھمکنا اور پھر بحث اور ڈیمانڈ کرنا یہ ہی سیکھا ہے تم نے۔" نیلوفر نے کہا بلکہ اسے غصہ دلانے کی کوشش کی۔

"کسی کے گھر نہیں اپنے ابا کے یہاں آئی ہوں، ڈیمانڈ نہیں حق ہے میرا اور مجھے میرا کمرہ بتادیں، بحث ختم۔" اس نے بیگ اٹھا کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ نیلوفر نے سختی سے منہ بند کرلیا۔

"ادھر بائیں طرف کمرے میں رکو۔" ریاض الدین نے راہداری کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ نیلوفر نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔ وہ شان سے چلتی ان کے قریب سے گزر کر ان کے بتائے یعنی صہیب کے کمرے میں چلی گئی۔

"پاگل ہوگئے ہیں کیا آپ......" نیلوفر پھٹ پڑیں۔ "صہیب کے کمرے میں کیوں بھیجا اسے؟ کان کھول کر سن لیں، مجھے اپنے گھر میں کوئی پانچواں فرد نہیں چاہیے، چلتا کریں اسے۔ پیسوں کی ضرورت ہے تو دے کر منہ بند کریں۔"

وہ جوش میں ہوش کھونے والے نہیں تھے۔ نیلوفر کی بات کا جواب دیے بغیر وہ کمرے کی طرف چل پڑے اور وہ ان کے پیچھے تھیں۔

ان کے پاس محمودہ کا فون نمبر نہیں تھا لیکن ان کے بڑے بھائی کا تھا۔ انہیں ہی فون کر کے محمودہ کا نمبر لیا۔

"کیا بات ہے؟ اتنے برسوں بعد کیسے یاد آئی؟" سوال طنزیہ تھا۔

"امینہ آئی ہے یہاں، وہی بتاتا ہے۔" انہوں نے اگلی بات کا موقع دیے بنا کال ختم کردی تھی۔ نیلوفر دور بیٹھی کڑی نظریں ان پر جمائے تھیں۔

"آپ اب اسے فون کریں گے؟"

"تو کیا کروں' بتاؤ؟" وہ چڑ کر گویا ہوئے۔

"اگر تم چاہتی ہو تو سن لو اسے دھکے دے کر باہر نہیں نکال سکتا۔"

"میں نے یہ کب کہا؟" اس الزام پر وہ اور ناراض ہوگئیں۔

انہیں اپنے مرحوم والد کی باتیں یاد تھیں جو انہوں نے ریاض الدین سے شادی کی اجازت دینے سے پہلے کی تھیں۔ ان باتوں میں ان کا جوابی وعدہ بھی شامل تھا۔ اتنے وقت بعد جب وہ تقریباً بھول ہی گئی تھیں کہ ریاض الدین کی ان کے علاوہ ایک بیوی اور دو بیٹیاں بھی ہیں۔ انہیں اپنی پرسکون زندگی سے زیادہ کچھ عزیز نہیں تھا۔

وہ بیوی کی بات نی ان سنی کیے فون ہاتھ میں لیے محمودہ کے فون نمبر کو تک رہے تھے۔

☆☆☆

محمودہ نے صبا کو آواز دی۔

"جی امی؟" وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر



Scanned with CamScanner

ہوگی۔

"فون کرلو اس کو، پہنچی یا نہیں۔" ماں تھیں، فکر کیسے نہ ہوتی۔

"امینہ ٹھان لے تو چاند پر بھی پہنچ سکتی ہے پھر یہ تو باپ کا گھر ہے۔" اس نے سوچا۔

"پہنچ گئی ہے۔ اس کا میسج آگیا تھا۔"

اس پر یہ دورہ پہلی بار نہیں پڑا تھا لیکن اس طرح دھمکی پر عمل کرلے گی' یہ ان دونوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ جب بھی اس کی چند ہزار کی نوکری چھوٹتی اور مہینے کے آخر میں ہاتھ تنگ ہوتا تو اکثر وہ جھنجلا کر گھر میں بڑبڑاتی پھرتی تھی۔ اس میں ماں کی جلد بازی سے لے کر ان کی جذباتیت، باپ کی بے خبری، ذمہ داری سے نظر پوشی اور اپنے ارادے سب ہوتے تھے۔ اس کے لیے ماں بے وقوف اور باپ بے حس تھا۔ آج محمودہ کا بھی پارہ چڑھا ہوا تھا۔ مکان مالک' مکان خالی کرنے کا کہہ گیا تھا، وہ بھائی کی طرف دو چکر لگا آئی تھیں لیکن وہاں کوئی خاموشی کی زبان سمجھتا تھا نہ نظروں کی التجا۔ ادھر سے بس رمضان کے رمضان کا آسرا تھا۔ اس آسرے پر بھی امینہ تلملا جاتی تھی۔

"ہمارے باپ کے گھر سے کسی اور کے یہاں زکواۃ جاتی ہے اور ہمارے یہاں کہیں اور سے آتی ہے، کبھی ان کے دروازے پر ہی پہنچ جائیں کہ ان کی غیرت جاگے اور آپ کو بھٹکنا نہ پڑے۔"

اس نے اس سے پہلے بھی کئی بار باپ کے پاس جانے کی دھمکی اور مشورہ دیا تھا لیکن محمودہ ہر بار اس کی طبیعت صاف کر دیتی تھیں کہ جس اولاد کی خاطر گھر چھوڑا' اب وہ ہی اس در پر جا کر انہیں ذلیل کرے گی۔

محمودہ کی عام سی شادی شدہ زندگی میں زلزلہ اس وقت آیا تھا جب ریاض الدین نے ان سے دوسری شادی کی بات کی اور ان کا ردعمل وہ ہی تھا جو کسی بھی پہلی بیوی کا ہوسکتا تھا۔

ان کے واویلا اور آنسوؤں کا ریاض الدین پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ انہیں اپنے دفتر میں ملازمت کرنے والی نیلوفر بھا گئی تھیں اور ایک ارینج میرج کے بعد دوسری لو میرج میں انہیں کوئی مضائقہ نہیں لگ رہا تھا۔

جب انہوں نے اپنے نکاح کا عندیہ دیا تو محمودہ صبا کو لے کر میکے آگئیں۔ جہاں سب نے پورے دل سے ان کا ساتھ دیا۔ ان کے والدین اور بھائی بہن سب ان کے ساتھ تھے۔ دونوں خاندانوں کے بڑوں میں معاملہ سلجھانے کے لیے ملاقات ہوئی۔

محمودہ والوں کا کہنا تھا پہلے تو دوسری شادی ہی نہ ہو، ریاض الدین کے گھر والوں کے نزدیک ان کی یہ شرعی خواہش جائز تھی۔ جب دوسری شادی ناگزیر محسوس ہوئی تو محمودہ نے الگ رکھنے کی بات کی۔ جس پر وہ راضی نہیں تھے کہ دو الگ مکان اور اس کے اخراجات ان کی معاشی حیثیت سے زیادہ تھے۔ وہ دونوں کو ایک گھر میں رکھنے پر تیار تھے۔ دونوں اپنی بات پر اڑے رہے۔

سب کا محمودہ کو مشورہ یہ ہی تھا کہ جب تک الگ گھر لے کر نہ دے جانا نہیں۔

ایک بار چلی گئی تو ہمیشہ کے لیے سوتن جھیلنا پڑے گی۔ معاملہ نپٹتا اس سے پہلے انہیں اپنے دوسری بار امید سے ہونے کی خبر ملی۔ تب تک ریاض الدین بھی نکاح کر چکے تھے۔ اب سب کے پاس آنے والے بچے کو استعمال کرنے کی صلاح تھی اور اکثریت کو یقین بھی تھا' یہ اللہ کی طرف سے بھیجا گیا حل ہے کہ لڑکا ہی ہوگا اور بیٹے کے ہوتے ہی سب کچھ منوا لینا آسان ہوگا۔ نو ماہ بعد امینہ ان کی گود میں آئی اور وہاں کچھ دن بعد نیلوفر کے یہاں ثاقب کی ولادت ہوئی۔ اب وہی لوگ افسوس کرتے جو صلاح دیا کرتے تھے کہ حمل کے دوران ریاض الدین کو بلیک میل کرنا زیادہ آسان تھا۔ ڈلیوری تک رکنا نہیں چاہیے تھا۔

اسپتال میں محمودہ کے آنسو دیکھ کر والدین اور



Scanned with CamScanner

بھائیوں نے انہیں گلے لگا کر اور سر پر ہاتھ رکھ کر اتنی تسلیاں دیں کہ ان کی محبتوں پر ان کا ایمان پختہ ہو گیا اور انہوں نے اپنی ضد قائم رکھی۔

سب کچھ اچھا بمشکل والدین کی زندگیوں تک رہا۔ اس کے بعد کے حالات انوکھے نہیں تھے لیکن محمودہ کی آنکھیں دیر سے کھلیں۔ وہ حیران ہوتیں، لڑتیں جھگڑتیں، بھائیوں کو ان کے وعدے یاد دلاتیں مگر سب بے سود۔ آخر روز روز کی چپقلش سے تنگ آ کر بھائیوں نے ان کے لیے کرائے کے مکان کا انتظام کر دیا کہ ہم کرایہ اور خرچ دیں گے۔ چند ماہ پابندی سے دیا، پھر یاددہانی کی نوبت آئی، اس کے بعد لینے ان کے گھر تک جانا پڑتا، پھر آنا کانی اور آہستہ آہستہ ان کے ساتھ بہن والا نہیں بلکہ 'مستحق' والا سلوک ہونے لگا۔

ان کے پاس کوئی ہنر نہیں تھا نہ تعلیم اتنی تھی کہ کہیں ملازمت مل پاتی۔ انہیں پتا نہیں چلا کب وہ عادی ہو گئیں اور پھر دور دراز اور جاننے پہچاننے والوں میں، ہر جگہ وہ اپنا تعارف 'مستحق' والا ہی کروانے لگیں اور عجیب یہ تھا کہ اپنی مفلسی اور دربدری پر انہیں اب بھی زیادہ غصہ ریاض الدین پر آتا تھا۔ انہوں نے جن پر اعتماد کیا تھا' وہ انہیں اتنے قصوروار نہیں لگتے تھے جتنا ریاض الدین، جنہوں نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔ ان کے والدین نے نہ ان کے بعد کسی اور نے طلاق اور دوسری شادی کا سوچا یا مشورہ دیا کہ یہ ان کے خاندان کا رواج نہیں تھا۔

صبا نے جلد ہی اسکول کے ساتھ ساتھ سلائی اور ایمبرائیڈری سیکھ لی، کسی طرح پرانی مشین مل گئی اور صبا کماؤ ہو گئی۔ زندگی کی بھاگ دوڑ نے محمودہ کی صحت پر برا اثر ڈالا تھا۔ ان کے جوڑوں کا درد اب انہیں زیادہ چلنے پھرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا تھا۔ امینہ نے صبا کی طرح پڑھائی نہیں چھوڑی تھی۔ بی اے کرتے ہی وہ نوکری کرنے لگی تھی۔ لیکن جلد احساس ہوا اس کے حصے میں آٹھ دس ہزار سے زیادہ کی نوکری نہیں۔ دوسرے اس کی زبان اور مزاج بھی اسے زیادہ دن ایک جگہ ٹکنے نہیں دیتے تھے۔ اب بھی پچھلے چار ماہ سے وہ بے روزگار تھی۔ ہاتھ پیر مارنے کے بعد بھی اسے کہیں ملازمت نہیں مل رہی تھی۔ وہ اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ خود پر ہی خرچ کرتی تھی پھر بھی صبا اور محمودہ کو ذرا سا آسرا تھا۔

آج مکان مالک کے جانے کے بعد محمودہ حالات کا رونا روتے ہوئے اسے کوس رہی تھیں کہ وہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر باہر آئی۔

"مکان مالک کو کیوں بلاوجہ سنائے جا رہی ہیں؟ اس نے کہا ہے اتنا کرایہ دیں ورنہ دوسری فیملی تیار ہے دینے، یہ ہمارا مسئلہ ہے کہ نہیں دے سکتے۔"

"تم کیوں لگی بن رہی ہو اس کی؟"

"اپنے ہاتھوں سے پیدا کیے مسائل کے لیے دوسروں کو الزام دینا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

"تم سے تو اپنی ماں بھی برداشت نہیں ہوتی۔" وہ اس وقت سب سے بےزار تھیں۔

"ایک اور الزام۔"

"چاہتی کیا ہو تم......؟ میں چیخ چلا کر ساری دنیا کو بتاؤں کہ دیکھو' میں نے مرضی سے اپنا یہ حال کیا ہے؟ کون خود کو مفلسی کے کنویں میں گراتا ہے؟ قسمت پھوٹی تھی، شوہر بےوفا نکلا، اپنوں کے رنگ بدل گئے، خون سفید ہو گئے، سب نے نظریں پھیر لیں، ان کے دلاسے' وعدے جھوٹے نکلے تو یہ بھی میری غلطی؟" وہ عموماً ان کی ایسی باتوں پر واپس کمرے میں بند ہو جاتی تھی لیکن آج ان کے سامنے آئی۔

"بائیس سال پہلے فیصلہ کرتے وقت آپ نے ہمارا سوچا نہ خود کو بچایا نہ دوسروں کو، یہ ہی ایک آپ کی غلطی ہے۔"

صبا مشین چھوڑ کر باہر آئی۔

"تم چلو اندر۔" اس نے امینہ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔

"نہیں' کہنے دو آج اسے۔ کیا ہے اس کے دل



Scanned with CamScanner

"ممی، میں بھی سنوں۔"

"چلو اندر۔" صبا اسے زبردستی پیچھے دھکیلنے لگی۔

"آپ کو اپنے لیے ابا سے کچھ نہیں چاہیے تھا نہ سہی ہمارے لیے کیوں نہیں لیا؟" وہ صبا کو ایک طرف کر کے پھر آگے ان کے سامنے آکر رکی۔

"جو تمہیں چھت دینے تیار نہیں تھا وہ اور کیا دیتا۔"

"تو ہمیں وہیں چھوڑ دیتیں۔"

"تم...... تم...... کہہ رہی ہو تمہیں سوتیلی ماں کے پاس چھوڑ دیتی؟" صدمے کے مارے انہوں نے بمشکل جملہ مکمل کیا۔

"جب ان سے ہمارا خرچ، حق اور سہولتیں نہیں لے سکتی تھیں تو ہمیں وہیں چھوڑ دینا چاہیے تھا، کم سے کم اس طرح ضروریات کے لیے بھی تڑپتے سسکتے تو نہیں ہم۔" محمودہ اگر بتاتیں بھی تو انہیں یقین نہیں آنا تھا کہ اس وقت ان کے ماموؤں نے نانا، نانی کے سامنے کیسے محبت کے مظاہرے کیے تھے اور کیا کیا وعدے کیے تھے۔ جن پر اندھا یقین ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

"اس جہنم سے بچ گئیں اس لیے ابھی اندازہ نہیں ہے تمہیں، پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔" انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

"پیسہ ہی سب کچھ ہے امی۔ یہ فلمی ڈائیلاگ اور کتابی باتیں اب تو نہ کریں آپ، چند روپوں کا بندوبست نہیں ہوا تو سڑک پر ہوں گی آپ دو جوان بیٹیوں کے ساتھ۔"

بیٹی کے الفاظ پر محمودہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ وہ کچھ کہہ نہ سکیں۔

"صحیح غلط اور قانونی غیر قانونی، ابا سے ہمارا خرچ لینے کے بے شمار طریقوں میں سے آپ نے ایک بھی نہیں آزمایا۔"

"ابھی یہاں تن کے کھڑا ہونا اور ماں سے سوال کرنا بہت آسان ہے کیونکہ تم نے وہ وقت دیکھا نہیں ہے نہ سمجھ سکتی ہو۔"

"امی! آپ نے جو بھی فیصلہ کیا تھا، ہم دونوں کے مستقبل کا سوچ کر کیا تھا یہ مان لیں اور یہ کوتاہ نظری ہی ہماری خستہ حالی کی وجہ ہے ورنہ سڑک پر آنے کی نوبت نہ آتی۔"

ایسا نہیں تھا کہ گزرے وقت نے محمودہ کو اس حقیقت سے روشناس نہیں کرایا تھا مگر اپنی اولاد کے منہ سے یہ سننا اس سچائی سے بڑا عذاب تھا۔

"تو چلی کیوں نہیں جاتیں اپنے باپ کے پاس۔" جو بھی نہ سوچا تھا، جس سے ہمیشہ روکا تھا آج وہ ہی منہ سے نکل گیا۔

سال میں دو تین دفعہ تو وہ پوری سنجیدگی سے یہ کر گزرنے کا سوچتی تھی لیکن ماں کا خیال ہی ہر بار اسے عمل سے روک دیتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ پلٹ کر کمرے میں آگئی۔ الماری کے اوپر رکھا بیگ نکالا۔ اس میں جتنے کپڑے ٹھونسے جا سکتے تھے ٹھونسے، پرس میں ضروری چیزیں ڈالیں اور باہر آگئی۔

صبا نے گھبرا کے اسے اور پھر ماں کو دیکھا۔

"جو آپ نے چھوڑ دیا تھا میں وہ سب لے کر دکھاؤں گی آپ کو۔"

"ہاں جاؤ، یہ بھی کر کے دیکھ لو، وہ لات مارے تو پھر یہیں آنا ہے۔"

"امینہ! پاگل ہو گئی ہو کیا۔"

"یہ مجھے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔"

"امی روکیں اسے۔ کچھ کہیں تو۔"

"جانے دو اسے، یہ ارمان بھی پورا کر لینے دو۔" وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھیں۔

"فکر نہیں کرو، میں نہ بے وقوف ہوں، نہ جذباتی اور نہ ہی بزدل۔" اس نے صبا سے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔

فون کی بیل پر صبا چونکی۔ کوئی انجان نمبر تھا۔ اس نے بے دلی سے فون اٹھایا۔

"ہیلو، محمودہ سے بات ہو سکتی ہے۔"

"آپ کون؟"



Scanned with CamScanner

"ریاض الدین۔" صبا کا ہاتھ کانپنے لگا۔
"اب کیا ہوگا؟" اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔
وہ کرسی سے اٹھ کر پلنگ کے پاس آئی۔
"امی!" محمودہ نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا۔
"فون ہے۔"
"کون ہے؟" وہ پرامید سی اٹھ کر بیٹھنے لگیں کہ شاید کسی بھائی کو خیال آگیا ہو۔
"وہ......" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔
"وہ کون؟ لاؤ دو۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے فون لے لیا۔
"ہیلو۔"
"میں ریاض الدین بول رہا ہوں۔" محمودہ کا پورا وجود پسینہ پسینہ ہوگیا۔
"امینہ کو تم نے بھیجا ہے یہاں؟"
"نہیں۔" انہوں نے بڑے جتن سے خود کو بولنے کے قابل کیا مگر آواز جذبات سے عاری تھی۔
"اس طرح کیسے وہ......"
"وہ خود مختار اور اپنی مرضی کی مالک ہے اور فرماں برداری جیسی کوئی خوبی نہیں اس میں۔ بس اتنا یاد رکھنا وہ تمہاری بھی بیٹی ہے۔" انہوں نے فون بند کردیا۔ ایسا لگ رہا تھا' ابھی جان نکل جائے گی۔ وہ تیز تیز سانسیں لے رہی تھیں۔ صبا دوڑ کر پانی لائی۔
"ریلیکس رہیں امی' ورنہ طبیعت خراب ہوگی۔ وہ پہنچ گئی ہے نا وہاں تو اب فکر نہ کریں، وہ سنبھال سکتی ہے خود کو۔" وہ ماں کا ہاتھ سہلانے لگی۔ پانی پی کر وہ خاموشی سے لیٹ گئیں۔ کیا کیا نہ یاد آگیا تھا وہ آواز سن کر۔
"لائٹ بند کردو' کچھ دیر سوؤں گی میں۔" انہوں نے کروٹ لے کر دیوار کی طرف منہ موڑ لیا۔
☆☆☆
مغرب کے بعد صہیب کمرے میں آیا تو اپنے پلنگ پر اسے بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔
"آپ کون ہیں؟" بیگ کندھے سے اتارتے ہوئے اس نے پوچھا۔
"امینہ۔"
"میں صہیب' لیکن میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟" وہ رشتے داروں کو زیادہ جانتا نہیں تھا۔
اس کی صورت ہی اتنی بھولی تھی کہ وہ تائب کے ساتھ والا سپاٹ لہجہ نہ اپنا سکی۔
امینہ ریاض الدین۔
آں...... اوہ...... اچھا......ابا کی فرسٹ فیملی......" وہ پہلا انسان تھا جس نے یہ درست الفاظ کہے تھے۔
"لیکن آپ یہاں کیسے؟ کیا سب آئے ہیں؟"
"اب وہ آگے آکر پلنگ کے کنارے تک گیا تھا۔
اپنے گھر میں تو نہیں لیکن اپنے ہم عمر کزنز سے اس نے سب سن رکھا تھا۔
"صرف میں ہوں۔" یہ سامنا اور گفتگو اس نے سوچی نہیں تھی۔
"اچھا۔" وہ کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتا رہا جیسے سوچ رہا ہو کیا' کہے پھر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو کھڑا ہو گیا۔
"یہ میرا کمرہ ہے آپ ریسٹ کریں یہاں، میں بھائی کے کمرے میں پڑھائی کرلوں گا۔" الٹے قدموں پیچھے الماری کی طرف جاتے ہوئے اس نے صفائی دی۔
"میں کپڑے نکال لوں۔" وہ بیچ میں ہونق بنی اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ صہیب نے کپڑے نکالے، دوسرے ہاتھ سے بیگ اٹھایا اور ذرا سا خم ہو کر جیسے اس سے اجازت لی اور باہر چلا گیا۔ وہ پیچھے دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔
"عجیب! یہ دونوں سگے بھائی نہیں ہو سکتے۔" ان کی شکلیں بھائی بھائی چیخ رہی تھیں لیکن وہ بے یقین تھی۔
اب کیا کرے اس کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ باہر نکلے یا کمرے میں ہی رہے۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا تھا اور باہر فضا میں پھیلے تناؤ کی بو



Scanned with CamScanner

اسے محسوس ہو گئی۔ اس کا فی الحال کسی کے ساتھ سر کھپانے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے کمرے میں رہنا ہی مناسب سمجھا۔ پورے کمرے کا جائزہ لینے اور فون میں گیم کھیل کھیل کر اکتانے کے بعد اسے بھوک کا احساس ہوا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

کون؟

صہیب دروازہ دھکیل کر اندر آیا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔ وہ جو اس کے اخلاق اور برتاؤ سے متاثر ہونے لگی تھی، ٹرے دیکھ کر متاثر ہونا بھول گئی۔

"یہاں کیوں، کیا میں سب کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھا سکتی؟" اس کے چبھتے لہجے پر وہ تھوڑا سا گھبرایا۔

"مجھے لگا آپ کو بھوک لگی ہو گی، اس لیے اپنے لیے کھانا نکالا تو آپ کے لیے بھی لے آیا، آپ کو نہیں چاہیے تو کوئی بات نہیں۔" وہ پلٹا۔

"رکو۔" وہ پھر پلٹا۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹرے لے لی۔ "تھینک یو، مجھے سچ میں بھوک لگی ہے۔" اس نے ٹرے میز پر رکھی اور ایک پلیٹ لے کر پلنگ پر بیٹھ گئی جس میں پلاؤ تھا۔

"تم بھی شروع کرو۔" اس نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"دو منٹ، ابھی آیا۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا تو پانی کی بوتل، گلاس اور ایک بڑے پیالے میں مزید پلاؤ ساتھ تھا۔

"باقی سب دیر سے کھانا کھاتے ہیں، مجھے جلدی سونا ہوتا ہے اس لیے میں سب سے پہلے کھا لیتا ہوں۔" وہ کھانے کے دوران اس کی معلومات بڑھا رہا تھا۔

"کون سی کلاس میں ہو؟"

"ٹینتھ میں، اسی لیے تو وقت نہیں میرے پاس زیادہ۔"

"ہوں!" وہ اس فلمی جملے پر ڈر گئی۔

"اسکول، ٹیوشن، ہوم ورک اور پڑھائی۔ ان سب کے لیے چوبیس گھنٹے کم پڑتے ہیں۔"

"اچھا۔"

کھانے کے بعد وہ دونوں ایک ساتھ برتن اٹھائے باہر نکلے۔ ہال سے گزر کر باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے نیلوفر نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ دو بیٹے تھے اور دونوں ہی دو انتہاؤں پر۔

صہیب نے سونے کے لیے اسے اپنا کمرہ دے دیا تھا۔ بدلے میں اس نے بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

"تم اپنا کام کرو میں ڈسٹرب نہیں کروں گی۔"

ساڑھے نو بجے وہ اپنا کام سمیٹ کر چلا گیا تھا۔

اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ نئی جگہ اور نیا محاذ تھا۔ گھر میں تو جھگڑ کے، چیخ چلا کر بھی سکون سے سو جاتی تھی۔ تین بجے تک بھی آنکھ نہیں لگی اور کروٹیں بدل بدل کر بے زار ہو گئی تو وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ گھر میں سناٹا تھا۔ سب سو رہے تھے۔ بتیاں بھی بند تھیں۔ وہ صحن میں چلی آئی۔

"کیا پتا صبا اور امی بھی سوئی ہوں گی یا نہیں۔" وہ سوچتے ہوئے چبوترے پر بیٹھ گئی۔ اونچی دیواروں سے گھرے احاطے میں گیٹ نہیں غیر معمولی چوڑائی والا دروازہ تھا۔ کچے اور صاف ستھرے صحن میں ایک ساتھ دو بائیک کھڑی تھیں۔ مکان اور احاطے کی دیواروں پر اجلا سا رنگ تھا۔ چبوترے کے ساتھ زینے کے دونوں طرف گملوں میں پودے تھے۔ ہال اور اس کے بغل والے کمرے کی دو کھڑکیاں اس طرف تھیں۔

اس نے گردن موڑ کر بائیں طرف دیکھا، داخلی دروازہ اور صحن ایک تھا۔ درمیان میں دیوار یا باڑھ نہیں تھی۔ اس کے بعد بھی دیکھتے ہی دو الگ گھر کا گمان ہو رہا تھا۔ پرانے اور تقریباً اتر چکے رنگ و روغن کے ساتھ ادھر سے اسے غربت کی لہریں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ دروازے کے آگے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے وہاں اس حصے جیسی اوورے



Scanned with CamScanner

لیکن اپنے گھر میں اس وقت ایک اجنبی سے باز پرس احتیاط کا تقاضا تھی۔

"آپ کے مالک مکان میرے ابا ہیں۔" وہ کھڑی ہوگئی۔"

اچانک اس کے اندر اعتماد جاگ گیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں کھڑی ہے۔ اس حقیقت نے اس کی گردن بھی ذرا لمبی کردی جو سفیر نے بھی محسوس کی۔

مناسب قد و قامت، جسامت اور صورت والے بندے کی گھسی جینز، بلیو شرٹ اور دھول سے اٹے سینڈل میں بال اتنی دور سے بھی اسے روکھے اور گرد آلود لگ رہے تھے جو دن بھر کی مشقت کا نتیجہ تھے۔ اس کے سانولے چہرے پر تھکن بکھری تھی، آنکھوں میں نیند تھی۔ وہ اسے دن بھر کی محنت کے بعد رات بسر کرنے گھر لوٹا مزدور لگ رہا تھا۔

ایسا مزدور جسے مزدوری کرنے کا افسوس، غصہ، اور دکھ نہیں تھا۔ اس مشقت بھری شب کے آخری پہر اسے نیند کا تحفہ پسند آیا تھا۔ اس کے چہرے پر اس کے حصے میں آئے زندگی کے کھردرے، ناہموار خاردار راستے پر کوئی شکوہ نہیں تھا۔

"میرا چہرہ کب ایسا ہوگا جس پر وقت کی ستم ظریفی کے داغ تو ہوں گے لیکن گلے نہیں؟"

وہ بے دھیانی میں ہی اس کا بغور جائزہ لینے لگی تھی۔ سفیر کو اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔ وہ کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سینڈل اتار کر اس نے بدرنگ سے زنگ آلود لوہے کے ریک پر رکھے اور دروازہ کھولا۔ امینہ نے اسے کمرے میں جاتے اور دروازہ بند کرتے دیکھا اور پھر واپس اپنے حصے میں آگئی۔

"جہاں تم رہتے ہو تا وہاں میرا رہنا بنتا ہے۔" اس نے غائبانہ اسے مخاطب کیا۔ کمرے میں آکر بھی بہت دیر تک اسے نیند نہیں آئی پھر جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

☆☆☆

رنگ کی پتلی سی اسٹیل شیٹس نہیں بچھی تھیں۔ وہاں چبوترے کے ساتھ ساتھ پورے صحن کو ڈھانکنے کا کام پرانا پترا اور کٹی پھٹی، تارپولین کی چادر جیسے کمزور محافظ کر رہے تھے۔ کیاری میں چند درمیانے پودے تھے۔ دور سے اسے سرخ اور گلابی گلاب بھی نظر آرہے تھے۔ صحن میں دروازے کے سامنے احاطے کی دیوار سے لگ کر لکڑی کا پلنگ رکھا تھا جس کی صورت اسے کسی عمر رسیدہ کھانستے اور جھکی کمر والے بزرگ سی لگی۔ اس کے ایک طرف شاید تہ کیا ہوا بستر تھا۔

دور سے جائزہ لیتے ہوئے وہ اٹھ کر اس طرف آگئی۔ دروازہ بند تھا اور اس طرف کی بتی بھی۔ وہاں کا صحن بھی اکھڑا ہوا تھا۔ جا بجا فرش کے آزاد ٹکڑے اپنی جگہ سنبھالے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پلنگ پر آکر بیٹھ گئی۔ مفلسی میں جانے یہ کیسی کشش تھی کہ جس تنگ دستی سے بھاگ کر یہاں آئی تھی پھر اس تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہاں سے چاند سے مزین خوبصورت آسمان بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

"یہ بھی غریبوں سے چھپتا ہے۔" اس نے پیر ہلاتے ہوئے سوچا۔

وہ یونہی پیر لٹکائے پیچھے لیٹ جاتی کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اتنی رات کو اس کھٹکے پر اس کے ہوش اڑ گئے۔ دروازہ بند کر کے اس طرف آیا سفیر بھی بری طرح گڑبڑایا۔ منیبا اور سارہ بھی اس وقت باہر نہیں ہوتی تھیں اور اس کی صورت اور حلیہ دور سے ہی ان سے مختلف تھا۔ ایک اجنبی لڑکی کو اپنے پلنگ پر براجمان دیکھ کر وہ ٹھہر گیا۔

"کون ہو؟" سوال بے اختیار ہی زبان سے پھسلا تھا۔

"امینہ۔" اس نے یوں کہا جیسے یہ نام کوئین الزبتھ یا اینشوریہ کے ہم پلہ ہو اور مقابل نے پہچان ہی جانا ہے۔

"کون امینہ؟" اس کے مزاج کے خلاف سی



Scanned with CamScanner

اگلی صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ نماز کا وقت نکل چکا تھا۔ وہ واپس چادر منہ پر ڈال کر سوئی تو آس پاس ہو رہی آہٹوں پر جاگی۔ چادر چہرے سے ہٹائی تو صہیب میز سے کتابیں اٹھا کر اپنے بیگ میں رکھ رہا تھا۔

''سوری! آپ کی نیند خراب کی۔'' وہ شرمندہ سا گویا ہوا۔

''میں بس جا رہا ہوں' آپ سو جائیں۔'' اس نے بیگ کی زپ بند کی اور دراز سے کچھ چیزیں نکال کر بیگ کے اگلے خانے میں ڈالیں پھر بہت آہستہ سے دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ اس کی نیند کا اتنا خیال رکھنے والا وہ پہلا انسان تھا۔ دروازہ ہی نہیں اس سے پہلے بھی آواز پیدا نہ ہو' اس لیے وہ سب کام آہستہ آہستہ کر رہا تھا۔ اس کے جاگ کر دیکھنے کے بعد بھی اس نے دروازہ احتیاط سے کھولا تھا۔

''تائب اور یہ سگے بھائی نہیں ہو سکتے۔'' وہ ایک بار پھر مشکوک سی واپس لیٹ گئی۔

دوبارہ نو بجے اٹھی۔ وہیں کمرے کے غسل خانے میں دانت صاف کرنے اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد وہ باہر آئی۔ ہال میں نیلوفر اخبار پڑھ رہی تھیں۔

''کچن کدھر ہے؟'' اس نے پوچھا۔ اپنی ساری بہادری کے باوجود وہ نیلوفر سے الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے غلطی ہمیشہ اپنے ماں باپ کی ہی لگی تھی۔ اس نے کبھی دوسری عورت کو اپنے حالات کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا تھا۔ ذمہ داری اور فرض ابا کا تھا، اپنا مقام اور گھر چھوڑنے کی غلطی ماں کی۔

نیلوفر نے ہاتھ کے اشارے سے باورچی خانے کا راستہ بتا دیا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔ کل سے بڑے سوچ بچار کے بعد انہوں نے اس معاملے میں کودنے سے خود کو روک لیا تھا۔ امینہ کا جو مزاج وہ دیکھ رہی تھیں اس پر اگر وہ بھی اس کے انداز میں اس سے نپٹتیں تو گھر کا میدان جنگ بننا لازمی تھا اور انہیں زندگی میں سکون سے زیادہ کچھ اور پسند نہیں تھا۔

نیلوفر اپنے نام اور مزاج کی ایک ہی ہستی تھیں۔ ان کے والد کی زندگی حادثات سے بھری تھی۔ اللہ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں دی تھیں۔ ایک بیٹا بچپن میں فوت ہو گیا۔ دوسرا جوانی کی دہلیز پر اچانک انتقال کر گیا۔ بیٹوں کے دکھ نے ان کی بیوی کی عمر بھی مختصر کر دی۔

ابھی ان آفات سے سنبھلے نہیں تھے کہ بڑی بیٹی بیوہ ہو گئی۔ نیلوفر جو نوکری کرتی تھی' اسے دفتر میں ساتھ کام کرنے والے ریاض الدین سے محبت ہو گئی۔ نیلوفر چھوٹی تھیں اور اپنی آنکھوں سے زندگی کی بے ثباتی کو بہت قریب سے دیکھا تھا اس لیے وہ ہر دن اور ہر پل کو پوری طرح جینے پر یقین رکھتی تھیں۔ وہ نہ الجھنیں پالتی تھیں نہ معاملات الجھاتی تھیں۔

ان کے ابا بیٹی کی دوسری بیوی بننے کی خواہش پر خوش نہیں تھے لیکن نیلوفر کا فیصلہ بھی اٹل تھا۔ وہ نیک دل اور خدا ترس انسان تھے۔ ریاض الدین اور نیلوفر سے پہلی بیوی بچوں کے حقوق اور ذمہ داریاں نبھانے کی شرط اور وعدے پر انہوں نے ان کی شادی کر دی۔

ان کا کوئی بیٹا بچا تھا نہ بہن بھائی تھے نہ ان کی اولادیں۔ وہ اپنے مکان کے ایک حصے میں بیوہ بیٹی بتول اور اس کے بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ دوسرا حصہ کرائے پر دے رکھا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد بھی اس وقت تک اس کرایہ کا بڑا آسرا تھا جب تک ریاض الدین اور نیلوفر یہاں منتقل نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے کرایے داروں کو نکال کر گھر کی مرمت کروائی اور رہنے آ گئے۔ وہ انہیں روک بھی نہیں سکتی تھیں کہ وہ نیلوفر کا حصہ تھا۔

اس گھر کے کاغذات ریاض الدین کے پاس ہی تھے۔ وہ بے فکر تھیں لیکن ایک دن جب وہ کسی کے ساتھ سارے مکان کا معائنہ کرنے لگے تو انہیں اور بچوں کو فکر نے گھیرا۔ حکومت کی ری ڈیولپمنٹ اسکیم میں آس پاس کے کئی مکان اب تین چار منزلہ عمارتوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔



Scanned with CamScanner

مکان مالک کو ایک جدید طرز کے فلیٹ کے علاوہ فائدہ ہی ہوتا تھا۔ یہ مکان مالک اور بلڈر دونوں کے فائدے کا سودا تھا۔

بتول ان کے بچوں کی پریشانی اس فائدے سے زیادہ بڑی تھی۔ عمارت بننے کے وقفے میں کہیں اور جا کر رہنا، کرایہ دینا اور سب سے اہم تحفظ کا مسئلہ تھا۔ سفیر دن رات کام کرتا تھا۔ گھر میں وہ کم ہی موجود ہوتا تھا۔ یہاں اسے فکر نہیں ہوتی تھی کہ ماں اور بہنیں تنہا ہیں لیکن کہیں اور یہ بے فکری ملنا ناممکن تھا۔

امینہ نے اپنے لیے آملیٹ بنایا۔ وہیں بریڈ اور مکھن بھی رکھا مل گیا تو روٹی نہیں بنائی۔ آملیٹ بریڈ اور چائے کے ساتھ مکھن لگا بریڈ اس نے وہیں اسٹول پر بیٹھ کر کھایا اور برتن سنک میں رکھ کر صحن میں آگئی۔ بائیں طرف سُنینا دھلے کپڑے رسی پر پھیلا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ مسکرائی تو امینہ اس کے پاس چلی گئی۔

"کل تائی سے سنا تھا آپ آئی ہیں؟" سنینا نے آخری دوپٹا جھٹکتے ہوئے کہا۔

"ہم شاید ہم عمر ہی ہیں' اس لیے آپ جناب نہ کرو پلیز اور وہ کیا ساری دنیا میں اعلان کرتا پھر رہا ہے یا صرف تمہیں بتایا؟" وہ پھر پلنگ پر ٹک گئی۔

"وہ کسی وجہ سے کھانا چھوڑ دیں تو یہیں آ کر کھاتے ہیں۔" دروازے سے باہر نکلی سارہ نے کہا اور اسٹینڈ سے جوتا اٹھا کر سیڑھی پر بیٹھ کر پہننے لگی۔

"اور کل شاید کھانا چھوڑنے کی وجہ آپ تھیں۔"

"اچھا۔" اس کا لمبا سا اچھا دم توڑ گیا جب دروازے سے سفیر باہر نکلا۔ ویسی ہی گھسی پٹی جینز پر شرٹ دوسری تھی۔ اس نے ریک سے سینڈل اٹھا کر اس فاصلے سے ہی فرش پر چھوڑ دی اور اس میں پیر ڈالنے کے بعد باری باری پیر گھٹنے سے موڑ کر اوپر کیے اور ویل کرو بند کیے۔ سینڈل پہن کر اس نے پیچھے مڑ کر "جا رہا ہوں امی" کہا اور زینے اتر کر آگے بڑھا۔

"اللہ حافظ سونی۔" ادھر دیکھے بنا اس نے سُنینا سے کہا۔

"اللہ حافظ بھائی۔"

سارہ بھی ہاتھ ہلاتی اس کے پیچھے بھاگی۔

"آؤ اندر۔" سُنینا نے بالٹی اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ جو انہیں دروازے سے نکلتے دیکھ رہی تھی کھڑی ہو گئی۔

"امی! یہ امینہ ہے۔" ہال میں آ کر اس نے بتول سے اس کا تعارف کروایا۔ اسے سلام کرنا پڑا۔

یہ ہال ادھر والے ہال سے مختلف تھا۔ دیواروں کو مرمت کی ضرورت تھی اور اسی لیے رنگ بھی ناراض سے اڑ گئے تھے۔ چھت سے لٹکا پرانا پنکھا جیسے پھانسی کا پھندا گلے میں تنگ ہونے پر بلبلا رہا تھا۔

ایک بڑا سا پلنگ تھا جس پر بتول بیٹھی تھیں، اس پر بچھی چادر اور تکیے کے غلاف صاف ستھرے تھے، کشیدہ کاری کے نمونے سے سجے میز پوش سے ڈھکی ایک تپائی تھی، فرش پر دری بچھی تھی جس پر دیوار سے لگ کر دلہن والا دوپٹا رکھا تھا۔ پاس ہی ایک پیالی میں نگینے اور موتی بھی تھے۔ دیوار میں شیشوں والی ایک الماری تھی جس میں کچھ سرٹیفکیٹ، انعامی شیلڈز اور میڈل تھے، دیگر آرائشی اشیا پرانی اور سستی تھیں۔ دیوار پر گھڑی کے علاوہ ایک ہاتھ سے کاڑھا گیا قدرتی منظر بھی فریم میں ٹنگا تھا۔ ایک تصویر بھی تھی جس کے نچلے کونے میں سارہ لکھا پڑھنا مشکل نہیں تھا۔ اس کمرے میں تین دروازے کھل رہے تھے ایک باورچی خانے کا تھا اور دوسرے دیگر کمروں کے۔

"کسی کی شادی ہے؟" بتول کے جواب کے بعد اس نے دوپٹے کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" سُنینا ہنسی۔ "یہ کام کے لیے ہے۔" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اس پر یہ موتی اور نگینے وغیرہ چپکانے ہوتے

ہیں۔"

"اچھا۔"

"تم اوپر بیٹھو نا۔"

"نہیں۔ ٹھیک ہوں۔" وہ وہیں چارزانو بیٹھ گئی۔ بتول بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تمہاری امی اور بہن کہاں ہیں؟"

"گھر پر ہیں۔"

"تم اکیلی آئی ہو؟ کسی کام سے آئی ہو؟"

"اکیلی آئی ہوں اور کام کیا...... میں اپنے ابا کے ساتھ رہنے آئی ہوں۔" بتول نے کچھ نہیں کہا۔

"چائے لو گی؟" منزہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی ناشتہ کر کے آئی ہوں۔"

"تمہاری امی اچھی ہیں؟ طبیعت وغیرہ۔"

"انہیں بلڈ پریشر ہے اور جوڑوں کا پرانا درد بھی، زیادہ چلنا نہیں ہوتا ان سے۔"

"کہاں...... کیا وہیں بھائیوں کے ساتھ ہی رہتی ہیں؟"

"دس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے، کرایے کے مکانوں میں بھٹک رہے ہیں۔"

"اس وقت تو بھائیوں نے بڑے دعوے کیے تھے ساری عمر سنبھالیں گے۔ بوجھ نہیں بہن ہماری......" وہ طنز نہیں کر رہی تھیں نہ ان کا لہجہ جتاتا بلکہ ان کی آواز میں افسوس تھا۔

"کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا ساری عمر۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہی بات اس وقت تمہاری ماں کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، ضد نہ کرتی تو کم سے کم سر پر اپنی چھت ہوتی آج۔"

"امی سے جو غلطی ہوئی وہ تو ہے لیکن ابا...... انہوں نے کیوں بیٹیوں کو پلٹ کر نہ دیکھا؟" اس کا لہجہ کڑوا تھا۔

"ہاں یہ ریاض الدین کی کوتاہی ہے۔ جب طلاق نہیں دی تھی بیوی یا کم سے کم بیٹیوں کے اخراجات اور ان کی خیر خبر کی ذمہ داری تو اسی کی تھی۔

یہ طریقہ ہی غلط ہے۔ چھوڑنا ہے تو قانونی شرعی طور پر الگ ہونا چاہیے پھر آسانیاں پیدا کرنے والے دوسرے امکانات بھی ہوتے ہیں۔"

"چھوڑیں امی!" منزہ نے ان دونوں کے سنجیدہ چہرے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی دوسری بات کریں۔ تم پڑھتی ہو؟"

"نہیں، بی اے کے بعد جاب کرتی تھی۔"

"ماشاءاللہ اب نہیں کرتیں؟"

"نہیں، تم پڑھتی ہو؟" اس نے بھی وہی سوال کیا۔

"بی اے کے بعد بس کیا۔"

"جاب نہیں کی کہیں؟"

"نہیں۔" اسے ایک دم خیال آیا، یہ چاچی اس کے امی ابا کے متعلق اتنا کیسے جانتے ہیں۔ وہ جھٹکے سے بتول کی طرف مڑی۔

"آپ کو کیسے معلوم میرے بارے میں اتنا سب؟"

"ایں؟" اس کی حیرت پر بتول بھی حیران ہوئیں۔

"تمہارے ابا میرے خالو ہیں، نیلوفر خالہ امی کی چھوٹی بہن ہیں۔" منزہ نے جواب دیا۔

"اوہ! اچھا۔" اس نے بغور بتول کو دیکھا۔ ان میں نیلوفر کی شباہت تھی تو۔

کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر وہ پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہاں خادمہ صاف صفائی میں لگی تھی۔ اس نے سوال جواب نہیں کیے لیکن وہ جس طرح معنی خیز انداز میں اسے اور پھر نیلوفر کو دیکھ رہی تھی وہ سمجھ گئی یقیناً اسے ان کے رشتے سے آگاہ کرنے کے ساتھ منہ بند رکھنے کی تنبیہ بھی کر چکی ہے۔

وہ کچھ دیر ٹی وی دیکھتی رہی پھر صہیب کے کمرے میں آ گئی۔ صبا کو فون کیا۔ وہ دونوں کہیں مکان دیکھنے گئی تھیں۔

ظہر کے بعد اسے بھوک لگی تو باورچی خانے میں پہنچ گئی۔ کھانا نکالا اور ہال میں آ گئی۔ وہ کھانا کھا

رہی تھی' اس وقت تائب گھر میں داخل ہوا۔

"تم ابھی تک یہیں ہو؟" وہ کالج سے لوٹا تھا اور بیگ چابی کمرے میں رکھ کر پانی پینے ادھر آیا تھا۔

"میں اب یہیں ہوں۔" اس نے دل جلانے والا تبسم سجا کر جواب دیا۔

"اچھا کیا میرے لاسٹ سمسٹر میں آ گئیں، کچھ دن ہی برداشت کرنا پڑے گا۔ شکر میرے مولا!"

اس نے سر اٹھا کر کہا۔ اس کے ایم بی اے کے آخری دن چل رہے تھے۔ وہ اسے 'یہاں سے ٹلوں گی نہیں' جتا کر جلانا چاہ رہی تھی سو اس نے اطمینان کا اظہار کیا۔

"بس فیل مت ہو جانا۔"

"ہنہ منہ اچھا نہ بات اچھی۔"

"ہمم، بہت کالی زبان ہے میری۔ جاؤ اب کوئی منت مانو، چلہ کاٹو، مصلیٰ سنبھالو۔"

"نیک لوگ بددعا پروف ہوتے ہیں۔" اس نے اپنے نورانی چہرے پر ہاتھ پھیرے۔ "ویسے تم تو منتیں مانگ کر بھی اکیس پوری کرنے کی زحمت سے بچ جاتی ہو گی۔"

تم کب آئے؟" ان کی آوازیں سن کر نیلوفر باہر آ گئیں۔

اس کا کھانا ہو گیا تھا۔ اس نے پلیٹیں اٹھائیں اور باورچی خانے میں چلی گئی۔

اور پھر سب اپنی اپنی جگہ چپ چاپ 'جو جیسا چل رہا ہے چلنے دو' والے ہو گئے تھے۔ نیلوفر اور وہ ایک دوسرے سے ضروری کام کی بات کے علاوہ کچھ نہیں کہتی تھیں۔ تائب اور وہ اول دن کی طرح ہر دم سینگ لڑاتے رہتے۔

ریاض الدین جیسے دم سادھے ہوئے تھے کہ جانے کس دن وہ کوئی اور دھماکا کر دے، اس کی قانون والی دھمکی کو انہوں نے بہت سنجیدگی سے لیا تھا۔

ایک صہیب تھا جو اس کی موجودگی اور اس کے ساتھ سے خوش تھا۔ گھر میں اس سے پہلے کسی کے پاس اس کے لیے وقت نہیں تھا' اب اس سے باتیں کرنے اور اس کے ساتھ وقت گزارنے والا ایک عدد انسان موجود تھا۔ امینہ کا زیادہ وقت صہیب کے ساتھ یا پھر بائیں حصے میں گزرتا تھا۔ سُنینا بھی زیادہ وقت اکیلی ہوتی تھی۔ سفیر کام پر، بتول ساری دوپہر محلے کے گھروں میں بچوں کو عربی اور اردو پڑھانے جاتی تھیں اور سارہ کالج میں ہوتی تھی۔ اب اسے بھی سہیلی مل گئی تھی۔

ایک دو بار اس کی آواز سن کر تائب باہر سے ہی لوٹ گیا لیکن پھر ایک دن اپنے گھر میں اس کا راستہ روکا۔

"تمہارے باپ کا گھر یہ ہے، بازو کے گھر میں کیا کرنے جاتی ہو؟"

"تمہارے باپ کا گھر یہ ہے، بازو کے گھر میں کس لیے دلچسپی لیتے ہو؟"

"وہ میری خالہ کا گھر ہے، غلط لوگوں سے اس کی حفاظت میرا فرض ہے۔"

"وہ میری سہیلی کا گھر ہے، اسے غلط لوگوں کی دلچسپی سے بچانا میرا فرض ہے۔"

"آپ دونوں پھر لڑ رہے ہیں؟" پیچھے دروازہ کھول کر صہیب نے سر باہر نکالا۔

"توبہ کرو! مجھے کہاں لڑنا آتا ہے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور اس پر ایک جلتی بھنتی نظر ڈال کر دروازہ پورا کھول کر صہیب کے ساتھ کمرے میں چلی گئی۔

"یا اللہ کوئی اس میں بھی دلچسپی لے تاکہ یہ نین کی جان چھوڑے!" تائب نے دعا کی۔

"یا اللہ نین کی اس گدھے سے حفاظت فرما!" امینہ نے دعا کی۔

☆☆☆

"ابھی تک ملا نہیں کوئی مکان؟"

"نہیں۔"

"یہ مہینہ ختم ہونے کو آیا ہے۔"

"ہاں۔"

"تو پھر؟"
"بڑھے ہوئے کرایے کے ساتھ اگلا مہینہ یہیں گزارنا پڑے گا۔"
"کرایے کے پیسے کہاں سے آئیں گے؟"
"اللہ مالک ہے۔"
"امی کسی سے ادھار لائیں گی۔" اس نے جل کے کہا اور صبا چپ ہوگئی۔
"ایک گڑھا بھرنے کے لیے دوسرا کھودو، پھر وہ بھرنے کے لیے ایک اور۔"
"تم بتاؤ۔ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟"
اب کے وہ چپ ہوگئی پھر آہستہ سے کہا۔
"میری طرح ہمت کر کے یہاں آجاؤ۔"
"امی مانیں گی نہیں اور میں انہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔" اس نے عام سی بات کی لیکن امینہ کے دل پر لگی کہ سچ تو ہے وہ ماں کو چھوڑ کر آئی ہے۔
مسلسل سوچتے ہوئے اس نے آخر فیصلہ کیا اور رات اس وقت ہال میں گئی جب ریاض الدین کمرے میں تنہا خبریں دیکھ رہے تھے۔
"مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔" بنا تمہید کے اس نے مدعا بیان کیا۔
"کتنے؟" انہیں لگا اب وہ آنے کا اصل مقصد بیان کر رہی ہے۔ پیسے مل جائیں تو چلی جائے گی۔ جتنی تیزی سے ان کی زبان سے 'کتنے' ادا ہوا تھا اس سے اسے بھی ان کی سوچ کا اندازہ ہوگیا۔
"چار ہزار۔" رقم سن کر انہیں مایوسی ہوئی۔
"کس لیے چاہئیں؟"
"اگر یہ نہ ہوئے تو امی اور صبا کو مکان خالی کرنا پڑے گا اور دوسرے کرایے کے مکان کا ابھی تک انتظام نہیں ہوا ہے۔"
اس کے پاس اس وقت کہنے کو بہت کچھ تھا۔ یہ انہیں آئینہ دکھانے، غیرت دلانے، شرمندہ کرنے، ان کی کوتاہیاں گنوانے، ذمہ داریوں سے پردہ پوشی اور بے حسی، خودغرضی کا احساس کرانے کا سنہری موقع تھا لیکن وہ سپاٹ نظریں اور چہرہ لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔
وہ اٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔ واپس آئے تو وہ وہیں کھڑی تھی۔ انہوں نے رقم آگے بڑھائی، اس نے لی اور واپس اپنے کمرے میں آگئی۔
اگلے دن وہ جلدی اٹھی تھی اور سب سے پہلے ناشتہ کر کے وہ گھر چلی آئی۔ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تو صبا کی ایمبرائڈری مشین کی گھر گھر نے استقبال کیا۔
"ارے! کل بتایا کیوں نہیں کہ آج آؤ گی۔" صبا مشین روک کر اٹھی۔
"اب کیا بتا بتا کے آ بھی نہیں سکتی؟"
"یہ تو نہیں کہا میں نے۔" وہ مٹکے سے اس کے لیے پانی کا گلاس بھر کے لے آئی۔
"امی کہاں ہیں؟" اس نے پانی پی کر اندر جھانکا جہاں وہ نظر نہیں آ رہی تھیں۔
"بڑے ماموں کی طرف گئی ہیں، آتی ہی ہوں گی بہت دیر ہوگئی ہے۔" اتنی صبح صبح ہی ماموں گھر میں دستیاب ہوتے تھے۔
اس نے بیگ سے پیسے نکال کر مشین پر رکھ دیے۔ "یہ کرایے کے اضافی پیسے ہیں۔"
"تمہارے پاس کہاں سے آئے؟ جاب مل گئی؟ ایڈوانس لیے ہیں؟"
"ابا سے لیے ہیں۔" صبا جو پیسے اٹھانے جا رہی تھی، رک گئی۔
"ماموں کے نہیں یہ پیسے ہمارے حق کے ہیں، وہاں نہیں مانگنا چاہیے اور یہاں جھجکنا نہیں چاہیے، ماموں دینے کے پابند نہیں ابا ہیں۔"
صبا نے مرے سے ہاتھوں سے پیسے اٹھا لیے۔ جانے عورت کے دل پر یہ کیسی چوٹ پڑتی ہے، کیسی ضد، آنکھوں پر کون سا پردہ کہ وہ در در رلتی ہے، ہاتھ پھیلاتی ہے لیکن اس در پر دوبارہ نہیں جاتی جسے چھوڑ چکی ہے۔
"سب کا رویہ کیسا ہے وہاں؟"
"حیرت انگیز طور پر شانتی ہے وہاں اور چھوٹا



Scanned with CamScanner

صہیب واحد سمجھ دار......" وہ اوپر پیر سیٹ کر بیٹھ گئی۔

وہ صبا کو بتول کے گھر کا حال اور تعارف سنا رہی تھی کہ محمودہ آ گئیں۔

"نکال دیا گھر سے......ہو گئے ارمان پورے......" اسے دیکھتے ہی انہوں نے طنز کیا اور اس کا مزاج بگڑ گیا۔

"پھر بھی امید سے زیادہ دن رکھ لیا، جانتی تھی میں یہ ہی ہوگا' اسی لیے منع کرتی تھی، میری زندگی بھر کی خودداری کو داغ لگا دیا......"

وہ کھڑی ہوئی، بیگ اٹھایا اور چپلیں پہننے لگی۔

"میں جا رہی ہوں صبا۔" وہ آوازیں دیتی رہی لیکن امینہ رکی نہیں۔ وہ سوچ کر آئی تھی کہ ماں سے بحث نہیں کرے گی، پورا دن ان دونوں کے ساتھ گزارے گی، اپنا باقی سامان بھی لے جائے گی مگر ایک بھی کام نہیں ہو پایا۔

ان کی خودداری والی بات اس سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔

اس نے کئی بار سوچا اگر اس کا باپ ہوتا ہی نہیں، مر گیا ہوتا تو شاید اسے ماں کا یہاں وہاں سے مانگنا یا امید لگانا برا نہیں لگتا لیکن 'باپ کے ہوتے ہوئے دوسرے کے پیسوں پر پلنا' اس کی زندگی کا دکھ، افسوس، اور غصہ تھا۔

دروازے کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دونوں پٹ تیزی سے کھلے اور اس کی چیخ نکل گئی، وہ گرتے گرتے بچی تھی۔

"اندھے ہو؟" سارا غصہ سفیر پر نکلا۔

"ہٹو اب۔" وہ حیرت سے اس کے بہتے آنسو دیکھ رہا تھا۔

"اس میں رونے والی کیا بات ہے؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

اس نے گال پر ہاتھ رکھے۔ ہاں اس میں رونے والی کیا بات ہے۔" نمی محسوس کر کے اس نے خود کو ڈانٹا۔

اس کے پیچھے سارہ نمودار ہوئی۔

"ارے! اتنی صبح صبح کہاں سے آ رہی ہیں؟"

سفیر ایک طرف ہو گیا۔ وہ اندر آ گئی۔

"امی کی طرف گئی تھی۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"اچھا۔ چلیں بھائی۔" سارہ نے کہا اور باہر نکل گئی۔

امینہ یونہی پلٹی، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا وہ پھر پھاڑ کھانے والے انداز میں کچھ کہے گی لیکن امینہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

"حیرت!" وہ دل میں کہتا باہر چلا گیا۔

"یہ اس گھر میں کیوں ہے؟" کبھی کبھار ہی اس کے سخت دل میں ایسا ورد اٹھتا تھا۔

☆☆☆

اسے دیکھتے ہی قدم سست اور گونگے ہو گئے تھے۔ وہ دیوار کی طرف منہ کیے سو رہا تھا۔ دبے قدم اٹھاتی وہ سانسیں تک روکے تھی گویا اس کے زیر و بم سے بھی نیند ٹوٹنے کا خدشہ ہو۔ وہ اس کی سمت دیکھ کر آگے بڑھ رہی تھی کہ کہیں یہ احتیاط بھی کم تو نہیں، وہ بے چین تو نہیں ہو رہا، کوئی ہلچل اور...... دھڑام۔

آواز اتنی اونچی اور پر شور تھی کہ وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ منہ دبائے نیچے بیٹھی تھی۔ ٹوٹے فرش میں الجھا پیر دشمن ثابت ہوا تھا۔

سفیر نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا اور سر جھکا کر اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اسی وضع میں بیٹھی رہی تو اس نے پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ پیچھے مڑے پیر پر ہاتھ رکھے تھی۔ اس کی طرف پشت تھی۔

"سونی!" اس نے آواز لگائی۔

"جی بھائی۔" وہ دروازے میں نمودار ہوئی۔ نظروں کا رخ بھائی کی طرف تھا۔ سفیر نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے کیا ہوا؟" وہ تیزی سے اس کے پاس آئی۔



Scanned with CamScanner

"پیر مڑ گیا۔" تکلیف کے مارے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ سُنینا نے اسے پکڑ کر اٹھایا اور وہ لنگڑاتی ہوئی اندر پہنچی۔ سفیر پھر لیٹ گیا۔

"اٹھ کے دیکھا تو جا سکتا تھا، نیند تو ٹوٹ ہی گئی تھی۔"

سُنینا اس ٹکور کا انتظام کر رہی تھی اور وہ اب بھی جل بھن رہی تھی۔

وہ سُنینا کے تھمائے رومال میں لپٹی برف ٹخنے پر پھیر رہی تھی جب وہ اندر آیا۔

"آپ کیوں اٹھ گئے؟ سو جائیں ابھی وقت ہے، میں اٹھا دوں گی۔" بھائی کی چار پانچ گھنٹے کی نیند کا حساب اور فکر کا شمار سُنینا کی زندگی کے اہم کاموں میں ہوتا تھا۔

"اب نہیں آئے گی نیند۔" وہ پلنگ کے کنارے لٹکا تولیہ اٹھا کر اندر چلا گیا۔

"رات سونے کے لیے ہوتی ہے اسی وقت سونا چاہیے نا، دن میں بندہ کتنی احتیاط کرے اب۔"

سُنینا چپ رہی کہ اندر سفیر تھا اور اسے اینہ کو اس کا وضاحت یا صفائی دینا اچھا نہیں لگتا۔

اس کے جانے کے بعد سُنینا نے اسے تفصیل سنائی۔

وہ رات میں کسی گودام میں جاتا تھا جہاں وہ ملازم تھا۔ وہاں سے تین ساڑھے تین بجے گھر آتا اور سو جاتا تھا۔ چھ بجے اٹھ کر نہانے اور فجر پڑھنے کے بعد وہ اخبار ڈالنے جاتا تھا۔ وہاں سے واپس آ کر ناشتہ کر کے اوبر چلانے نکلتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سارہ بھی نکلتی تھی۔ وہاں سے چار پانچ بجے واپس آ کر وہ کچھ دیر سوتا پھر مغرب سے عشاء کا وقت وہ ماں اور بہنوں کے ساتھ گزار کر عشاء پڑھ کر کام پر چلا تھا۔ اس سے پہلے رات میں وہ فوڈ ڈلیوری ایپ کے لیے بطور ڈلیوری مین کام کرتا تھا لیکن اس میں آمدنی کم تھی اور پھر سارہ کی فیس اور بتول کے اپینڈکس کے آپریشن کے لیے اسے اپنی پرانی بائیک بھی بیچنا پڑی تو وہ نوکری چلی گئی۔ ان ہی دنوں تائب کے دوست نے اپنی کار اوبر میں رجسٹرڈ کی اور اسے ڈرائیور کی ضرورت تھی تو تائب نے اسے دوست سے ملوایا جو پہلے ڈرائیور کی نوکری بھی کر چکا تھا۔ تب سے اس نے گودام کی نائٹ شفٹ کر لی تھی۔

اس کا یہ ہی معمول سُنینا اسے سنا رہی تھی اور وہ مبہوت سی اس وقت اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی محنت کرتا تھا اور اس کے پاس دو جینز اور چار شرٹ تھیں۔ گھر میں اس نے اسے دو ٹریک پینٹ اور دو ٹی شرٹ میں ہی دیکھا تھا۔ جب وہ جاب کرتی تھی تو ہر ماہ سستا سہی مگر ایک نیا جوڑا ضرور لیتی تھی۔ اس کے لیے یہ حیران کن تھا' وہ خود پر خرچ نہیں کرتا تھا۔

"ابو کا انتقال ہوا تب بھائی سیکنڈ ایئر میں تھے۔ چھوٹا سا کاروبار تھا وہ بھی سب بھائیوں کا مشترکہ۔ کچھ دن ابو کا حصہ آتا رہا پھر پیسے کم اور بہانے زیادہ ہوتے گئے' آخر میں بہانے رہ گئے پھر اس کی بھی زحمت نہیں کی کسی نے۔ وہ تو اچھا تھا نانا ابا کا گھر تھا۔ بھائی نے کالج اور نوکری ساتھ جاری رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن آخر میں تعلیم چھوڑنا پڑی۔" اس کا چہرہ اداسی میں ڈوبا تھا۔

"تب میں بھی پڑھ رہی تھی' سارہ چھوٹی تھی، امی کی دوائیں اور میری بھی۔ انہوں نے ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں، جانے کون کون سے کام کیے۔ اب ذرا دو جگہ سیٹ ہیں۔ ایک گودام اور دوسرا اوبر۔ لیکن ہماری ضرورتیں اتنی ہیں ناں کہ شرمندگی ہوتی ہے۔"

"تم جاب کیوں نہیں کرتیں؟" وہ اپنا بوجھ آپ اٹھاؤ کی علم بردار جو تھی۔

سُنینا رک گئی پھر نگینہ اٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"مجھے پیدائشی ڈائبیٹیز ہے۔ روز دوائیاں لیتی ہوں پھر وقفے وقفے سے جانچ بھی' اس کے باوجود کبھی بھی غش کھا کر گر پڑتی ہوں۔ کبھی شوگر بہت کم ہو جاتی ہے، کبھی بہت زیادہ۔" وہ شرمندہ سی گویا تھی جیسے یہ اس کی غلطی ہے۔



Scanned with CamScanner

"دو دفعہ جب اسکول میں ایسا ہوا جہاں میں پڑھاتی تھی تو بھائی اور امی نے منع کر دیا۔ تب سے میں گھر بیٹھے ایسے چھوٹے موٹے کام کرتی ہوں، امی بھی اپنی سی کوشش میں عربی اردو پڑھانے محلے کے گھروں میں جاتی ہیں حالانکہ انہیں بھی تھائی رائڈ اور بلڈ پریشر تنگ کرتا ہے لیکن ہم سب ایک دوسرے کی مدد اور بوجھ کم کرنے کی کوشش میں لگے ہیں۔ امی کہتی ہیں مل جل کر کام کرنے میں برکت ہوتی ہے اور ایک دوسرے کا احساس بھی رہتا ہے، قدر ہوتی ہے۔"

جو تشکر، احسان مندی اور احساس بھائی اور ماں کے لیے شمینا کی بات اور آواز میں تھا' وہ اس کے پاس نہیں تھا اور اسے اس کا ہونا ضروری لگتا بھی نہیں تھا۔ صبا ایک عمر سے گھس رہی تھی لیکن وہ اس کے لیے کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اس نے بھی غور نہیں کیا تھا کہ گھر کے کام کے بعد وہ سارا وقت اسٹول پر بیٹھ کر مشین چلاتی ہے، اکثر درد کی گولیاں لیتی ہے، اسے یہ قربانی اور محنت نظر کے سامنے ہوتے ہوئے بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنی تنخواہ پر بھی صرف اپنا حق سمجھتی تھی اور جو بھی دیتی تھی' وہ احسان کے انداز میں۔ اپنا بوجھ خود اٹھانا چاہیے، اپنی فکر خود کرنا چاہیے۔

یہ اس کی زندگی کا سنہری اصول تھا' جس پر عمل پیرا زندگی گزارنے پر اسے فخر تھا۔ اس وقت اس کے سامنے شمینا کا چہرہ بڑا سوالیہ نشان تھا جو بھائی کے گن گا رہی تھی۔ اس کی تکالیف پر دکھی تھی، اس کے لیے دعا گو تھی۔ قربانی، ایثار، انکسار اور سانجھی ذمہ داریوں جیسے جذبات احساسات سے اس کا خمیر بنا ہوا تھا۔ [illegible] زندگی [illegible]

[illegible]

☆☆☆

اچانک صہیب کی ٹیوشن کی چھٹی ہو گئی اور وہ اس کی کتابیں بند کر کے بائیں حصے میں کھینچ لائی تھی۔

سارہ صہیب سے بڑی تھی۔ وہ آرٹس سے پڑھ رہی تھی اور جونیئر کالج کے دوسرے سال میں تھی۔ وہ دونوں بارھویں کے بعد کیا کرنا ہے پر بات کر رہے تھے۔ سارہ کو فائن آرٹس پڑھنا تھا۔ اسے مصوری میں دلچسپی تھی۔ وہ دونوں صحن میں بیٹھے تھے۔ شمینا ہال میں لہنگے پر کام کر رہی تھی' وہ اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"صہیب بہت دن بعد آیا ہے۔" شمینا نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ تمہاری خالہ ادھر آنے نہیں دیتیں؟"

"نہیں۔" شمینا ہنسنے لگی۔ "تم اب تک خالہ کو سمجھیں نہیں۔ وہ آزادی پسند ہیں۔ خود بھی آزاد رہنا چاہتی ہیں اور دوسروں پر بھی پابندیاں نہیں لگاتیں۔"

"دسویں کی وجہ سے صہیب مصروف ہو گیا ہے، اسکول پھر ٹیوشن اور پھر وہ پڑھاکو بھی بہت ہے۔"

"ہاں۔ بہت پڑھتا ہے بلکہ پڑھائی کے علاوہ کچھ اور کرتا ہی نہیں۔ کھیلنے کودنے یا دوستوں کے ساتھ جاتے تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"صہیب تائب کے الٹ ہے، کچھ تائب سے سبق سیکھ کر خالو جان وہی غلطیاں نہیں دہرانا چاہتے۔ اسے بہت آزادی اور چھوٹ دے رکھی تھی اور اب وہ صرف من مانی کرتا ہے۔ اس لیے صہیب پر سختی کرتے ہیں۔"

"وہ تو ہے ہی گدھا! لیکن اس کی وجہ سے صہیب کے ساتھ غلط ہو رہا ہے۔"

"اچھا! تمہاری امی کو ملا نیا مکان؟" اس نے بات بدلی۔

"ابھی تک تو نہیں ملا۔ صہیب بھی فون کر دوں [illegible] نہیں دیکھ [illegible] ہوتی ہیں۔"

"اللہ کرے جلد مل جائے۔ یہی سب سوچ کر ڈر لگتا ہے، یہ گھر جیسا بھی ہے' کتنی بڑی نعمت ہے۔" اس کے چہرے پر تشکر تھا۔

"تم اتنی صابر اور پرسکون کیسے رہ لیتی ہو؟" اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے کھوئے سے انداز میں پوچھا۔ وہ دونوں ہی حسین ماہ جبین قسم کی نہیں تھیں۔ عام سی شکلیں تھیں لیکن سُنیلا کا ٹھہراؤ، وقار، دھیما پن اس کے چہرے پر نور بن کر بکھرا رہتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی جو لفظ ذہن میں آتا تھا وہ معصوم تھا۔

"اللہ نے اتنا دیا ہے تو صبر شکر کیسے نہ کروں؟ چھت ہے، ماں ہے، پیاری سی چھوٹی بہن ہے اور ہیرے جیسا بھائی ہے میرا۔ صرف اسے ہی سوچوں تو لگتا ہے ساری عمر سجدہ شکر میں پڑے رہنا چاہیے مجھے۔"

اندر کہیں ایک نام بھی زبان تک آنے کی ضد کر رہا تھا لیکن ہر بار کی طرح اس نے اسے آنکھیں دکھا کر چھپنے پر مجبور کر دیا۔

"میرے پاس کیا ہے شکر کرنے کے لیے؟" اس نے سوچا۔ صبا بھی تو وہی کر رہی تھی جو سفیر لیکن اس نے تو کبھی سوچا نہ مانا کہ 'وہ اس کے لیے کچھ کر رہی ہے۔'

"تمہاری باتیں سن کر لگتا ہے' میں نہایت خود غرض اور بے حس انسان ہوں، بالکل اپنے ابا جیسی۔"

"ارے ایسا کیوں سوچ رہی ہو، بخدا میں نے اس لیے نہیں کہا کہ......"

"تم نے بالکل سچ کہا اور جو مجھے لگتا ہے' وہ بھی سچ ہے۔"

"تم بہت باہمت اور پیاری ہو، تمہارے جیسا سچ دنیا بہت کم لوگ کہتے ہیں۔" ان بہن بھائی میں کتنی مماثلت تھی' انہیں اندازہ ہی نہیں تھا۔

"یہاں چہرے پر چہرہ اور پھر اس پر نقاب عام ہے، تمہاری یہ خوبی ہی تمہارا حسن ہے کہ تم اپنا اصل چہرہ ہی سب کے سامنے پیش کرتی ہو۔"

"سونی! مجھے چائے بنا دینا۔" سفیر نے دوسرے کمرے سے آواز لگائی۔

"سب سن لیا اس نے۔" اس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بجھے دل سے سوچا۔

سامنے پھیلے پیروں پر تکیہ اور پھر اس پر لیٹا جا کر اہتمام سے بیٹھی سُنیلا اٹھنے کی تیاری کرنے لگی تو اس نے روک دیا۔

"تم بیٹ بیٹھی ہو، میں بنا دیتی ہوں۔" وہ اٹھ کر باورچی خانے میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد چائے کا کپ لیے ہال میں آئی تو سُنیلا نے آنکھ کے اشارے سے التجا کی۔

پلیز دے بھی دو۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑا آستینیں موڑ رہا تھا کہ شیشے میں اس کا عکس نمودار ہوا۔ وہ آئینے میں ہی اس کے 'اصل' چہرے کو دیکھنے لگا۔

"چائے۔" آئینے کے دونوں عکس میں پہلے اس نے نظر چرائی۔ سفیر نے پلٹ کر اس سے کپ لے لیا۔ وہ چلی گئی۔

"اس وقت کہاں؟" سُنیلا کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا۔ یہ اس کے سونے کا وقت تھا۔"

"تھینک یو۔' سُنیلا نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

"مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔" آج وہ جلد جاگی تھی اور اس وقت ریاض الدین، ثاقب اور صہیب کے ساتھ ناشتے کے لیے موجود بھی تھی۔

"کس لیے؟" ثاقب نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"تم سے نہیں مانگے، تم تو خود ان سے لیتے ہو۔" اس کا لہجہ بھائی سے زیادہ تیز تھا۔

"آج مجھے انٹرویو کے لیے جانا ہے۔" اس نے نگاہیں باپ پر لگا دیں۔

انہوں نے جیب سے والٹ باہر نکالا اور پانچ سو کے دو نوٹ اس کے سامنے رکھ دیے۔

"کچھ کھا بھی دیں، رکشا دار یہ دیکھ کر ہی لڑائی

شروع کرے گا۔" اس نے نوٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

جزبز ہوتے ریاض الدین نے والٹ میں جتنے چھوٹے نوٹ تھے سب نکال کر سامنے رکھ دیے اور کرسی چھوڑ دی۔ صوفے پر رکھا دفتر کا بیگ اٹھایا اور خدا حافظ کہتے باہر چلے گئے۔

"شام میں ابا کو سارے پیسوں کا حساب دینا۔" اسے قیمتی کاغذ سمیٹتے دیکھ کر تابش نے حکم دیا۔

"جی بھائی جان!" اس نے ہونٹ پھیلا کر مصنوعی تبسم سجایا۔ "بالکل ویسا حساب دوں گی جیسا آپ روز شام کو دیتے ہیں۔" وہ برابری ثابت کرنے کا کوئی موقع نہیں گنواتی تھی۔

"دیتی رہو ایسی تسلیاں خود کو لیکن میرا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں۔"

"حق ہا! تم سے مقابلہ کر کون رہا ہے؟ اس چار دیواری میں میرا اپنا ایک مقام ہے، وہ کسی کبوتر کے آنکھیں بند کرنے سے کہیں جانے نہیں والا۔"

صہیب اور نیلوفر یوں ناشتے میں مصروف تھے جیسے کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔

"میرا مقام!" تابش نے اس کی بھونڈی نقل اتاری۔ "اور صہیب کے کمرے پر قبضہ کیا ہے تم نے جسے ہندی میں گھس پیٹھ، اردو میں دراندازی کہتے ہیں۔"

"اور تم روز دو نفل شکرانہ پڑھا کرو کہ تمہارا کمرہ مجھے پسند نہیں آیا۔" اس نے رعونت سے ناک چڑھائی۔

"ہا، ہا، ہا۔" اس نے منہ کھول کر رک رک کر مصنوعی قہقہے لگائے۔

"تمہیں دیر نہیں ہو رہی؟" نیلوفر کو کہنا پڑا ورنہ وہ دونوں دن بھر اس شغل کو جاری رکھ سکتے تھے۔

وہ تو اسے گھورتا بیٹھا رہا لیکن وہ اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ اسے انٹرویو کے لیے جانے کی تیاری کرنا تھی۔ کپڑے جتنے بیگ میں آئے تھے اس نے اتنے ہی رکھے تھے۔ پہننے کے لیے جو جوڑا نکالا اس کا دوپٹا نہیں تھا اور دوسرا کوئی کپڑا اس لائق نہیں تھا جو وہ انٹرویو کے لیے پہن کے جاتی۔ وہ سُنینا کے پاس سفید یا سیاہ دوپٹا لینے بھاگی جو اس جوڑے پر چل سکتا تھا۔ صحن میں اندر بننے والے گرما گرم ڈوسے کی خوشبو پھیلی تھی۔

"اچھا ہے اس ندیدے کی ناک تک نہیں پہنچی خوشبو!" اس نے سوچا اور وہیں سے آواز لگاتی اندر آ گئی۔

"سُنینا!"

ہال میں سامنے ہی بتول خالہ اور سفیر ڈوسے اور ناریل کی چٹنی سے انصاف کر رہے تھے۔

"آؤ امینہ تم بھی ناشتہ کر لو۔"

"ابھی ناشتہ کیا ہے خالہ۔" وہ ان سے کہتی باورچی خانے میں آ گئی۔

"سر اٹھانے کی بھی زحمت نہیں کی۔" اس کے سر کو دیکھ کر اس نے بسورتے ہوئے سوچا تھا۔

"سُنینا مجھے سفید یا کالے دوپٹے کی سخت ضرورت ہے، جو بھی اچھی کنڈیشن میں ہے ایک دن کے لیے ادھار دے دو۔" اس نے آواز اتنی رکھی تھی کہ باہر تک جانے نہ پائے۔

"دیتی ہوں، تم یہ باہر دے دو اور پلیٹ واپس لاؤ۔" اس نے توے اور سنہری کرارے ڈوسے کے بیچ کفگیر ڈال کر اسے اٹھایا اور پلیٹ میں رکھتے ہوئے درمیان سے موڑ کر نصف دائرہ بنایا۔

وہ پلیٹ لیے ہال میں آئی۔ بتول خالہ کی طرف جھکی تو انہوں نے ہاتھ کی دیوار اٹھائی۔

"میرا ہو گیا سفیر کو دو۔" اس نے ادھر رخ کیا تو اس نے بھی وہی کیا۔

"امی! میں پہلے ہی بہت کھا چکا۔" اس نے ہاتھ میں تھامی پلیٹ سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور ڈوسا اس کی پلیٹ میں گرا دیا، سفیر نے سر اٹھا کر اسے گھورا۔ وہ پلٹ گئی۔

"اب بس کرو سُنینا۔ ہمارا ہو گیا اپنے لیے بنانا



Scanned with CamScanner

ہے تو بتاؤ۔"

"تم کھاؤ گی؟" اس نے پیالی کے چینڈے سے ڈوسے کا پتلا آٹا مہارت سے توے پر دائرے کی شکل میں پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"خوشبو سے میرا دل کر رہا ہے لیکن پیٹ فل ہے، تم دو پٹا دے دو بس۔"

"ایک ہی جگہ بن جائے گی، کہیں جا رہی ہو؟"

"انٹرویو ہے، دعا کرنا۔"

"کہاں؟"

پتا بتاتے ہوئے وہ پہلے جملے والی احتیاط بھول گئی تھی۔

وہیں کھڑے کھڑے اس نے ناریل کی چٹنی سے آدھا ڈوسا کھایا تب تک سُنیتا دو پٹا لے آئی تھی۔

"تھینک یو دونوں کے لیے۔" وہ فوراً واپس آ گئی تھی۔

☆☆☆

چار پانچ لڑکیوں کا انٹرویو شروع کرنے میں ہی اتنا وقت لگا دیا تھا کہ وہ اٹھ کر چلے جانے کا سوچنے لگی تھی کہ انٹرویو لینے والے کی فون کالز ختم ہوئیں اور انہیں پکارا جانے لگا۔

انٹرویو کے بعد اسے کچھ خاص امید نہیں تھی۔ بھوک لگی ہوئی تھی اور رکشا بھی نہیں مل رہا تھا۔ آس پاس ایک ریڑھی تک نہ تھی نہ کوئی دکان کہ بسکٹ ہی لے لیتی۔

"ڈوسے کی آفر ٹھکرانے کی سزا۔" اس نے سوچا۔ وہاں کھڑے رہنا فضول تھا وہ آگے چلنے لگی کہ راستے میں رکشا مل جائے گا۔ پیچھے سے ہارن کی آواز پر وہ ایک طرف ہو گئی لیکن پھر ہارن بجا تو وہ غصے میں پلٹی۔ قریب ہی پیلی پٹی لگی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر سفیر تھا۔

"بیٹھو۔" اس نے کہا، وہ ہارن والی حرکت پر کچھ دیر گھورتی رہی پھر دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گئی۔ گاڑی آگے بڑھ گئی ابھی ایک منٹ ہوا تھا کہ وہ چلائی۔

"روکو!" سفیر نے رفتار کم کی۔

"مجھے بہت بھوک لگی ہے، وہاں سے کچھ لے لوں۔"

اس نے دائیں طرف سموسے کی ریڑھی کی طرف انگلی اٹھائی۔

بیک ویو مرر میں اس کی آنکھیں اسے ملامتی انداز میں تک رہی تھیں۔

اس نے گاڑی ایک طرف روکی۔ وہ نکلنے کی تیاری کر رہی تھی کہ اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا۔

"یہیں رکو۔" اور باہر چلا گیا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ واپس آ کر اس نے بھوک کا علاج اسے تھمایا۔

"تھینک یو۔" کاغذ میں لپٹے گرم سموسوں نے بھوک چمکا دی تھی۔ ابھی گاڑی اسٹارٹ بھی نہیں کی تھی کہ اس کا اسٹینڈ میں لگا فون بجنے لگا، اس نے ایئر فون کان میں ڈالنے کے بجائے جیک سے اسے کھینچا اور فون کان سے لگایا۔

"یس میم......"

"آپ ہندی میں بات کریں پلیز۔" وہ اس قدر تیزی سے بول رہی تھی اور زبان مراٹھی تھی جو اس کے پلے نہیں پڑ رہی تھی۔

"جی میں نے کینسل کی نا۔"

"نہیں میم...... آپ کو کینسلیشن چارج نہیں دینا ہو گا۔"

"جی نہیں میم......"

کچھ دیر سننے کے بعد اس نے فون رکھ دیا۔

"سیکنڈ ایئر بی ایس سی تک پڑھا ہے اور انگلش نہیں آتی، اونہہ!" پیٹ میں غذا جاتے ہی دماغ ٹھکانے آ گیا تھا۔

سفیر نے فون سابقہ جگہ رکھ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس نے دو سموسے کھائے، بیگ سے بوتل نکال کر پانی پیا اور اب دل کر رہا تھا سو جائے لیکن جمائیاں لیتی باہر دیکھتی رہی۔ بیچ بیچ میں چور نظر اس پر بھی ڈال لیتی تھی۔ گھر کے آگے گاڑی رکتے ہی باہر



Scanned with CamScanner

نکل کر اس نے دروازہ بند کیا اور سفیر گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

"ارے!" اس نے حیرت سے دور جاتی گاڑی کو دیکھا۔ "عجیب انسان ہے، بہت عجیب! کینسلیشن چارج کے بدلے ایک شکریہ تو سن سکتا تھا۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے اندر آ گئی۔ کمرے میں پہنچی اور چپلیں اتار کر بستر پر گر گئی۔ کچھ دیر میں ہی اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

پانچ بجے کے قریب جاگی تو گھر معمول کی طرح خالی تھا۔ صہیب اسکول سے آنے کے بعد ٹیوشن کو گیا تھا اور ثاقب بھی کچھ دنوں سے چار بجے کے بعد کہیں نکل جاتا تھا۔ یہ وقت نیلوفر کے سونے کا ہوتا تھا۔ وہ مغرب سے ذرا پہلے اٹھتی تھیں۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر اپنے لیے چائے بنائی اور کپ لیے باہر آ گئی۔

"صبا نے بھی فون نہیں کیا۔" اسے خیال آیا۔

سامنے پلنگ پر سفیر گہری نیند میں تھا۔ چھت میں بنے کسی سوراخ سے آ رہی پتلی دھوپ اس کی پیشانی پر پڑ رہی تھی۔ وہ وہیں رک گئی۔ اس نے دھول بھری روشنی کی لکیر کا تعاقب کیا اور اس ظالم سوراخ کو گھورا۔ اس لکیر کے درمیان ہاتھ رکھا تو اس کی پیشانی کا دائرہ غائب ہو گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ چبوترے پر اسٹول رکھا تھا۔ کپ رکھ کر اس نے اسٹول احتیاط سے اٹھا کر سوراخ کے نیچے رکھا۔ اوپر نظر دوڑائی تو تارپولین کو کھینچ کر وہ سوراخ بند ہو سکتا تھا۔

"بسم اللہ۔" اسٹول پر اسے مکمل اعتماد نہیں تھا پھر بھی اللہ کا نام لیا اور ایک نظر سفیر پر ڈال کر چڑھ گئی۔ گردن کے ساتھ ابھی ہاتھ اوپر اٹھایا تھا کہ نیچے اسٹول کراہا اور وہ کچھ سمجھ پاتی اس سے پہلے...... دھڑام۔

سفیر نے اٹھ کر آنکھیں مسلتے ہوئے سامنے دیکھا اور اندر سے سُنینا دوڑی آئی۔

"کیا ہوا؟ کیسے گر گئیں؟ کر کیا رہی تھیں؟" اس کے پاس آنے تک وہ اتنے سوال پوچھ چکی تھی۔ اسے رونا ہی آ گیا۔

"زور سے لگی؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔ "کتنا گرتی ہو تم، دیکھ کر اور دھیرے چلا کرو۔ کئی جگہوں سے فرش ٹوٹا ہے اور یہ اسٹول کس نے یہاں رکھ دیا؟"

سفیر نے فرش پر ترچھے پڑے اسٹول کو دیکھا پھر اوپر چھت کو پھر اینہ کو جو لنگڑاتے ہوئے زینہ چڑھ رہی تھی۔

"بے وقوف!" وہ اٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔

سُنینا نے اسے پلنگ پر بٹھایا اور برف لینے بھاگی۔

یا اللہ ہر بار اس کے سامنے یوں بے عزت تو نہ کیا کر!" اس نے آنسو صاف کیے۔

یہ وہی پیر ہے یا دوسرا؟" وہ پھر کپڑے میں برف لیے حاضر تھی۔

وہی۔" اس نے اس کے ہاتھ سے لے کر یخ پوٹلی ٹخنے پر رکھی۔

"ہمیں عادت ہے صحن میں بھاگنے اور تیز چلنے کی، تمہیں نہیں۔ اس لیے سنبھل کر چلا کرو۔ میں دیکھتی ہوں امی کی دواؤں میں درد کا آئنٹمنٹ یا ٹیبلیٹ ہوگی تو۔" وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

سفیر اندر آیا تو وہ برف ٹخنے پر اوپر نیچے پھیر رہی تھی۔

"سوراخ بند کر دیا میں نے......" وہ پلنگ کے قریب اس کے سامنے آ کر رکا۔ وہ انجان بن گئی اور سفیر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اب تیسری بار میری نیند خراب مت کرنا۔" آگے کے الفاظ سن کر اس کی نظریں بدل گئیں۔

"اللہ کرے نیند ہی نہ آئے تمہیں اب!" وہ اپنے پیر کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے لیکن تپ کر گویا ہوئی تھی۔

"ہم مزدوروں کی نیند کو کوئی بددعا نہیں لگتی۔" اس نے برا نہیں منایا۔



Scanned with CamScanner

"اتنے یقین سے مت کہو، میری لگ جائے گی۔" اس نے سر نہیں اٹھایا۔ آواز بھرائی اور اس نے ٹخنے کی چوٹ کا شکر ادا کیا۔

"یہ اسٹنٹ ملا ہے۔" سُنینا کی آواز آئی اور اس کے کمرے میں آنے سے پہلے وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"میں لگا لیتی ہوں۔" اس نے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"تم لیٹ جاؤ کچھ دیر۔ میں کچن دیکھ لوں۔" سغیر کھانا کھا کر جاتا تھا اس لیے جلدی بنتا تھا۔

"ہم۔"

"تمہارے انٹرویو کا کیا ہوا؟" اندر جا کر اسے یاد آیا۔

"ہو گیا۔"

"مطلب اچھا ہوا، برا ہوا، کچھ اچھی امید ہے؟" وہ اندر سے ہی بات کر رہی تھی۔

"کوئی اچھی امید نہیں۔"

☆☆☆

"ارے! تم گھر میں ہو، کب آئے؟" تائب نے صہیب کو دیکھ کر پوچھا۔

"میں آپی کے کمرے میں تھا۔" اس کا جواب تائب کا منہ بگاڑ گیا۔

"وہاں کیا کر رہے تھے؟" اس نے لہجے میں بڑے بھائیوں والا رعب لانے کی ناکام کوشش کی۔

"ان کی فون سیٹنگ میں کچھ پرابلم تھا وہ ہی دیکھ رہا تھا۔" وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

"کھانا ہو گیا تمہارا؟"

"نہیں، آپی کے ساتھ کھاؤں گا۔" پانی کی بوتل میز پر رکھتے ہوئے نیلوفر نے [illegible] صہیب کو [illegible]۔ اتنا تھا کہ وہ تائب کی طرح اسے [illegible] یا [illegible] نہیں تھیں لیکن یہ نزدیکیاں انہیں خطرے کی گھنٹی لگ رہی تھیں۔

"شروع کرو۔" کرسی سنبھالتے ہوئے انہوں نے اس کے آگے پلیٹ رکھی۔

"نہیں آنے دیں۔" وہ ہاتھ روکے بیٹھا رہا۔

"امی! اس پر دم کیا کریں صبح صبح۔" تائب صہیب کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم ہی کر دیا کرو۔" راہداری کے موڑ سے وہ برآمد ہوئی۔ "اس بہانے صبح اٹھو گے بھی اور کچھ ثواب کا بھی بندوبست ہو گا۔"

"امی! سالن کڑوا کیوں لگ رہا ہے؟" اس نے امینہ پر نظر جما کر دانت میتے ہوئے کہا۔

وہ صہیب کے بغل والی کرسی کے پاس آئی اور کوئی سمجھتا اس سے پہلے وہ میز پر رکھی جیم کی بوتل اس کی پلیٹ میں الٹ چکی تھی۔

"لو میٹھا ہو گیا۔" نیلوفر نے سر تھام لیا اور تائب کو دیکھ کر لگ رہا تھا بس ابھی اس کے بال پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لے جائے گا۔ اس نے اٹھتے ہوئے زور سے میز پر ہاتھ مارا۔

"تمہیں تو میں ابھی....." نیلوفر نے اس سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا کہ وہ بری طرح ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گیا۔ وہ دل کو راکھ کرنے والے شعلہ بار تبسم کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی اور پلیٹ سامنے رکھتے ہوئے سالن کا پیالہ اٹھایا۔

تائب دھپ دھپ کرتا باہر نکل گیا۔

"آپ دونوں سیم ہیں۔" صہیب نے ایک سرد آہ بھری۔

"تم سکون سے کھاؤ، وہ کھانے کے ساتھ ساتھ سُنینا کا دماغ کھا کر فریش ہو جائے گا، اسے بس اُدھر بھاگنے کا بہانا چاہیے ہوتا ہے، دل میں دعا دے رہا ہو گا مجھے۔" وہ اطمینان سے بولی' نیلوفر غصے اور بے بسی سے [illegible] تکنے لگیں۔ امینہ اس کے چکر والی اور نظروں کو [illegible]۔

"[illegible] دونوں اولادیں ایک سی ہیں۔" نیلوفر نے سوچا۔

☆☆☆

دروازہ کھلا تھا، کمرے میں سُنینا نہیں تھی۔ اس نے دروازے پر ہلکی دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔



Scanned with CamScanner

پلنگ پر بیٹھتے ہوئے اس نے فرش کا جائزہ لیا وہاں اس کے کام کا ساز و سامان بھی نہیں تھا۔ وہ ایک دم چونکا اور تیزی سے اندر گیا لیکن وہ کمرہ بھی خالی تھا۔

''نین!'' اسے پکارتا ہوا وہ باورچی خانہ اور اس کے کمرہ بھی دیکھ آیا۔ غسل خانے میں بھی کوئی نہیں تھا۔

اس نے جیب سے فون نکال کر بتول کو کال ملائی اور اس کے خدشے کی تصدیق ہو گئی۔ وہ باہر بھاگا۔ اتفاق سے جیب میں بائیک کی چابی تھی۔ محلے میں ذرا فاصلے پر ایک نجی دواخانے کے باہر اس نے عجلت میں بائیک اسٹینڈ پر لگائی اور اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی اور قریب بتول بیٹھی تھیں۔

''آپ نے مجھے فون کیوں نہیں کیا خالہ؟'' اس نے بھرپور انداز میں خالہ کے مقابل کھڑے ہو کر ناراضی کا اظہار کیا۔

سُنینا نے آنکھیں کھولنے کے بجائے اور سختی سے بند کر لیں۔

''اتفاق سے اس وقت سفیر گھر میں تھا۔''

بتول کے جواب پر وہ کچھ ٹھنڈا ہوا۔

''دوائیاں لینے باہر گیا ہے، اسی کا انتظار ہے ڈاکٹر نے چھٹی دے دی ہے۔'' وہ تھکی سی تھیں۔

تائب خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ سبز لباس میں اس کی سانولی رنگت بجھی سی تھی۔ اس کی نگاہیں خود پر محسوس کرتے ہی اس نے ہاتھ موڑ کر کلائی سے بند آنکھیں ڈھانپ لیں۔ وہ جانتی تھی' وہ اسے دیکھ رہا ہے، پریشان ہے، اسے ڈانٹنا چاہتا ہے، اس سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن بتول کی موجودگی میں ضبط کیے کھڑا ہے۔

''میں سب کو پریشان کر دیتی ہوں۔'' بیماری میں وہ ایسے بھی آرام سے آنسو بہاتی تھی۔ اب بھی اس کی کلائی کے نیچے سے آنسو اس کی کنپٹی پر پھسلنے لگے تھے جنہیں دیکھ کر وہ دو قدم آگے آیا۔

''سو رہی ہو؟'' وہ اسے بات کرنے کے لیے اکسا رہا تھا۔

''نہیں تو۔ ابھی بات کر رہی تھی۔'' اس کی جگہ بتول نے جواب دیا۔

''سُنینا! تائب آیا ہے۔'' انہوں نے یوں اطلاع دی جیسے وہ اب تک اس کی آمد سے بے خبر ہو۔

''تم نے پھر وہی کیا جس سے سب منع کرتے ہیں۔'' وہ اس کے اور بتول کے درمیان کھڑا تھا۔

''دیکھو نا بیٹا! جانتی بھی ہے سب' پھر بھی ایسی لاپروا ہے۔''

وہ یونہی لیٹی رہی تو اس کی زبان چلتی رہے گی اور وہ ماں کے سامنے نہ کی جانے والی کوئی بکواس نہ کر دے، سوچ کر اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے آستین سے آنکھیں رگڑیں۔

''تم کس لیے آئے یہاں؟'' اس کی کمزور سی آواز بہت دھیمی تھی۔

''اب اس سے کیوں نالاں ہو رہی ہو؟ آرام سے لیٹی رہو۔''

تائب کی پرشکوہ نظر کے جواب میں اس کی آنکھوں میں بھی ناراضی تھی۔

''کیوں فکر کی میری؟''

''کیوں آئے یہاں؟''

''تھکتے نہیں میرے پیچھے بھاگتے ہوئے؟''

''پلٹ جاؤ۔''

''رک جاؤ۔''

''مجھے ایسے نہ دیکھو۔''

وہ سب سن رہا تھا۔

''چلیں امی۔'' سفیر بولتے ہوئے اندر آیا اور اسے دیکھ کر چونکا۔

تائب نے سلام کیا۔ ان دونوں کا سامنا کم ہی ہوتا تھا۔ تائب نے جواب دیا۔ وہ وہاں سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سفیر نے آگے آ کر اسے بٹھایا۔

''تم اسے رکشا سے لے جاؤ۔ میں تائب کے ساتھ اس کی گاڑی پر آتی ہوں۔''



Scanned with CamScanner

"ٹھیک ہے، دو منٹ میں رکشا لے کر آیا۔" وہ اس سے کہتا پھر باہر چلا گیا۔

"آپ پہلے نکلیں امی۔" وہ اسے وہاں سے بھگانا چاہ رہی تھی جو ان کی موجودگی میں بھی اندر بنا ہوا تھا۔

"ساتھ ہی چلیں گے۔" امی نے کہا تو وہ خود ہی فرش پر پیر رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"رکو ذرا، سفیر کو آنے تو دو۔"

"میں ٹھیک ہوں امی اب۔ اندر دم گھٹ رہا ہے، باہر کھڑے رہتے ہیں۔"

"اچھا آؤ۔" وہ اسے تھام کر دروازے کی سمت جانے لگیں۔ تائب خود کو لاچار اور بے بس محسوس کر رہا تھا۔

جس دن ابا اس سے اس کے آگے کے ارادے پوچھ رہے تھے اس دن اس نے سُنیتا کا نام اور اپنی آرزو بھی بتا دی تھی اور انہوں نے اسی وقت اس کے مستقبل کا یہ حصہ رد کر دیا تھا۔

"ابھی عمر نہیں ہے یہ سب سوچنے کی۔ اچھی جاب اور فنانشلی اسٹیبل ہونا ہی ابھی اپنا مقصد رکھو۔"

"وہی مقصد ہے ابا! لیکن مجھے جاب ملتے ہی شادی کرنا ہے۔" وہ بے باک اور بے شرم تھا۔

"اتنی جلدی شادی درست نہیں اور سُنیتا کے ساتھ ناممکن ہے۔"

"ناممکن کیسے؟"

"میری طرف سے انکار ہے۔"

"وجہ؟"

"وہ اچھی بچی ہے، کہیں مناسب جگہ اس کی شادی میں مدد کر دیں گے لیکن اپنی اولاد کے لیے مجھے ہر معاملے میں مضبوط بیک گراؤنڈ کا خاندان اور لڑکی چاہیے، اس سے کم نہیں۔"

"شادی مجھے کرنا ہے تو پسند صرف میری ضروری اور اہم ہے۔"

"ابھی سے ضد نہ کرو تائب۔ تمہیں جاب کرنا ہے۔ اس گھر کو سنبھالنا ہے، چھوٹے بھائی کو سپورٹ کرنا ہے، دو ڈھائی سال ہیں میری نوکری کے بس پھر سب تمہاری ذمہ داری ہے۔ ابھی بہت وقت ہے تمہاری شادی کے لیے اور تم بھی اس کی بیماری کے بارے میں جانتے ہو، سب نظر انداز کر بھی دوں تو......"

"ابا! میں یہ سب نہیں کروں گا، صہیب میری نہیں آپ کی ذمہ داری ہے۔ مجھے شادی جاب ملتے ہی کرنا ہے اور جاب کے سلسلے میں جہاں بھی جاؤں گا سُنیتا کو ساتھ رکھوں گا۔ میری اپنی فیملی ہو گی تو میں کسی اور کو کیسے سپورٹ کر پاؤں گا اور ایک صہیب ہی ہے زیادہ نہیں کہ میری ضرورت پڑے اور بھلا بیماری کہاں سے ہو گئی اس کی کنڈیشن؟" باپ بیٹے کے ارادے ایک دوسرے سے الگ تھے۔

"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ اندر چلیں۔" پیچھے سے صہیب کی آواز آئی جو دروازے میں کھڑی سُنیتا سے مخاطب تھا۔ تائب نے پلٹ کر دروازے کو دیکھا۔

"یہ حلوہ امی نے بھیجا ہے، تم لے جاؤ اندر۔" وہ اسے پیالہ تھما کر پلٹ گئی تھی اور وہ آخری دن تھا اس کے بعد کبھی اس نے اس گھر کی دہلیز پار نہیں کی تھی۔

باہر رکشے کا شور ابھرا تو وہ ہوش میں آیا۔ سفیر اسے لے کر رکشا میں بیٹھ گیا اور رکشا چل پڑا۔ رکشے کے پیچھے اس کی بائیک تھی۔

اس دن وہ بھوکا ہی رہا اور اس کی ذمہ دار امینہ تھی۔

☆☆☆

صہیب اسکول جانے سے پہلے اسے جگانے آتا تھا۔ اسے دروازے تک چھوڑ کر وہ واپس سو جاتی تھی۔ وہ دونوں اکثر رات میں آئس کھانے جاتے۔ کبھی ان کے ساتھ سارہ بھی ہوتی، صہیب کے بریک ٹائم میں باتیں کرتے، کمپیوٹر پر گیم کھیلتے۔ رات کا کھانا ساتھ کھاتے تھے۔



Scanned with CamScanner

وہ اپنا ناشتہ خود ہی بناتی تھی۔ نیلوفر اس وقت وہاں کچھ کر رہی ہوتیں تو کام روک کر اتنی دیر کے لیے باہر چلی جاتی تھیں جتنی دیر میں وہ اپنے لیے ناشتہ بنائی۔ صبا سے فون پر بات ہوتی تھی لیکن نہ محمودہ اس سے بات کر رہی تھیں نہ اس نے کوشش کی تھی۔

وہ اپنا پراٹھا اور چائے کا مگ لیے باہر نکلی تو دیوان پر اخبار پڑھ رہی نیلوفر اخبار چھوڑ کر اٹھ گئیں۔ اس نے پہلے پلیٹ اور مگ میز پر رکھا پر جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر بھرا۔ گلاس اپنی مخصوص کرسی کے پاس رکھا اور پیچھے سے اخبار اٹھا کر لے آئی۔ وہ اب بھی روز ملازمت کے اشتہار دیکھتی اور درخواستیں ای میل کرتی تھی۔ اتنی ساری تیاریوں کے بعد کرسی پر بیٹھی ہی تھی کہ ..... کرسی کے پیر لڑکھڑائے وہ خود کو سنبھالتی اس سے پہلے ہی کرسی سمیت زمین پر تھی۔ آواز پر نیلوفر بھی گھبرا کر آ گئیں۔

"تائب کے بچے!" اس نے دانت کچکچائے۔ وہ کمر سہلاتی سیدھی ہوئی اور پھر کراہتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

"یہ اس گدھے تائب کا کام ہے۔" اس نے سامنے کھڑی نیلوفر سے جھنجلا کر کہا۔

"تم دونوں سیم ہو۔" وہ اپنے سمجھ دار بیٹے کا جملہ دہرا کر واپس باورچی خانے میں چلی گئیں۔

"نانی نہ یاد دلائی تمہیں تو پھر کہنا۔" دوسری کرسی پر بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہوئے وہ نانی یاد دلانے کے طریقے سوچنے لگی تھی۔

اگلے دن کالج جاتے ہوئے بیچ سڑک پر تائب کی بائیک بند ہوگئی اور جب اس کی وجہ پتا چلی تو وہ سڑک پر گھسیٹتے ہوئے لے گیا۔ کل ہی تو اس نے پیٹرول ڈلوایا تھا۔ شام کو جتنا تپا ہوا تھا وہ اس نے سر پر منڈھ دیا۔

"پیٹرول کہاں ہے بائیک کے ٹینک کا؟"

امینہ نے جھک کر میز کے بازو سے پلاسٹک کی بھری بوتل اس کے سامنے رکھی۔

"ضائع نہیں کیا، ابا کے پیسوں کی فکر ہے مجھے۔" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

اس کا دل کیا وہ بوتل اس کے سر پر ڈال کے تیلی لگا دے۔

"اب یہ مت پوچھنا کیسے؟ ابھی تک منہ میں ذائقہ ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

تائب جس خطرناک حد تک گھور سکتا تھا' اسے گھورا پھر بوتل اٹھا کر باہر دروازے کی سمت بڑھا اور باہر جا کر پلٹ آیا۔ دروازے کے پاس لگے بورڈ سے اس کمرے کا فیوز نکالا۔ کمرہ گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا' ساتھ ہی اس کی چیخ بھی نکلی۔ باہر نکل کر اس نے دروازے کی کنڈی لگا دی۔

"تائب کے بچے! نالائق' لائٹ جلاؤ......" وہ آگے بڑھنے جا رہی تھی کہ کسی چیز سے الجھ کر گر گئی۔ کمرہ سب سے آخری تھا۔ اور نیلوفر گھر میں نہیں تھیں۔ ان کے آنے تک وہ مزے سے ہال کا دروازہ اور کھڑکیاں بند کیے اس کی چیخوں اور گالیوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کسی تک اس کی آواز پہنچ بھی نہیں رہی تھی کہ کوئی مدد کو دوڑتا۔

☆☆☆

صہیب ریاضی کے سوالات حل کر رہا تھا اور وہ پلنگ پر پیر پھیلائے اس کے فون میں گیم کھیل رہی تھی۔ اس سے شاید بار بار غلطیاں ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر وہ اسے دیکھتی رہی پھر فون ایک طرف رکھ دیا۔

"تمہارا موڈ نہیں ہے تو کچھ اور پڑھ لو یا بریک لے لو۔"

"بہت سارا ہوم ورک ہے کوچنگ کلاس کا بھی' اسکول کا بھی۔" اس کا قلم تیزی سے چل رہا تھا۔ پھر کچھ غلط ہوا اور جس نے جھنجلا کر اسے چھپانے کو اس پر آڑی ترچھی سب شاید لکیریں کھینچ دیں۔

وہ پلنگ سے اتر کر اس کے پاس آئی اور قلم اس کے ہاتھ سے لے کر سامنے کھلی بیاض میں رکھ کر بیاض بند کر دی۔

"چلو کارنر تک راؤنڈ لگا کر آتے ہیں۔ دماغ فریش ہو جائے پھر کام کرنا۔"



Scanned with CamScanner

وہ ست سا بیٹھا ہی رہا۔

"اب اٹھو بھی، آئس کریم کھلاؤں گی تمھیں۔" اس نے بازو کھینچتے ہوئے اسے کھڑا کیا۔ وہ چاروناچار اٹھ گیا۔

وہ معمول کے خلاف چلتے ہوئے خاموش تھا۔

"صہیب! کوئی بات ہوئی ہے کیا؟ تم ٹینشن میں ہو؟ فیل ہو گئے کسی ٹیسٹ میں؟"

"ابا نے مجھے کوچنگ کلاس کے پراسپیکٹس دیے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک سلیکٹ کرلوں۔"

"تو؟"

"وہ سب بارھویں کے بورڈ ایگزام کے ساتھ ساتھ انجینئرنگ کے انٹرنس کی تیاری والے کورس ہیں۔"

"تو؟" وہ اب بھی نہیں سمجھی۔

"مجھے انجینئر نہیں بننا۔"

"تو بول دو ابا کو۔"

"یہ اتنا ایزی نہیں، ابا کسی کی سنتے نہیں ہیں، میری تو بالکل نہیں۔"

"ثاقب کو دیکھ کر لگتا تو نہیں ایسا۔"

"میں ثاقب بھائی نہیں ہوں۔" اس کے چہرے پر اداس سا تبسم پھیل گیا۔ "مجھ سے ضد نہیں ہوتی، میں ان کی طرح کسی بات پر اڑ نہیں سکتا۔"

یہ بات تو تھی کہ ان دونوں کے مزاج اور فطرت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

"اچھا تمھیں انجینئر نہیں تو کیا بننا ہے؟"

"جو بننا ہے وہ بھی وجہ ہے کہ میں کہہ بھی دوں تو ابا کسی قیمت پر مانیں گے نہیں۔"

"ہیں! ایسا کیا بننا ہے تمھیں؟"

"ویٹرنری ڈاکٹر۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟"

"جانوروں کا ڈاکٹر، اور اب آپ بھی میرا مذاق مت اڑائیے گا۔"

"بڑی یونیک چوائس ہے تمھاری۔"

"مجھے جانوروں سے پیار ہے اور امی ابا کو جانور ہی نہیں پسند۔ کتنی بار میں زخمی بلی اور ڈاگی کے بے بیز گھر لایا لیکن دور رکھنے ہی نہیں دیتے۔ کبوتر پالنے سے بھی منع کر دیا یہاں تک کہ توتا بھی نہیں۔"

"تمھیں اس کے علاوہ کچھ اور نہیں بننا؟"

"نہیں۔ بس یہی میرا خواب ہے۔"

"ہمم...... تمھارا یہ خواب دوسروں کو بھی خوب صورت لگے یہ مشکل ہے لیکن مجھے برا نہیں لگا۔"

"مجھے انہیں اس ہفتے کے اینڈ تک ایک کوچنگ سینٹر کا نام دینا ہے تاکہ وہ وہاں میرا ایڈمیشن کروادیں۔ اس کی فیس انسٹالمنٹ میں پورے دو سال کی دو لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ تک ہے۔"

"کیا!" وہ ارد گرد کی پروا کیے بنا زور سے چیخی۔

"ہاں۔"

"صہیب! تم انہیں صاف صاف کہہ دو کہ مجھے انجینئرنگ میں جانا ہی نہیں ہے تو انٹرنس کی تیاری کس لیے، یہ پیسے کی بربادی ہے۔"

"میں نے کہا لیکن انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔" وہ دکان تک پہنچ گئے تھے۔

"کون سا فلیور؟"

"کوئی بھی لے لو۔"

آئس کریم کون ہاتھ میں لیے واپسی میں وہ اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ابا نہ سہی امی کو منالے۔

"امی؟ انہوں نے کہا تمھیں اور مجھے ان سب کی سمجھ نہیں اس لیے جو تمھارے ابا کہہ رہے ہیں کرو۔ وہ تمھارا بھلا ہی چاہتے ہیں۔" اس نے ماں کے الفاظ دہرائے۔

نیلوفر اپنے جیسا دنیا میں واحد نمونہ تھیں۔ اپنی دنیا میں مگن، کام اور ٹی وی سیریل یا پھر بازاروں کے چکر یہی ان کے پسندیدہ مشغلے تھے۔ وہ ٹینشن لو نہ کسی کو دو پر عمل پیرا تھیں۔ ان سے زیادہ 'نیوٹرل' بندہ دنیا میں نہیں مل سکتا تھا۔ اپنے بچوں کے معاملات میں بھی ان کا رویہ یہی تھا۔



Scanned with CamScanner

ان باتوں کا اثر تھا کہ اتوار کی رات کھانے کے دوران جب ریاض الدین نے اس سے کوچنگ سینٹر کا پوچھا تو اس نے ہمت کر لی۔

"ابا مجھے انجینئرنگ نہیں کرنی۔"

"یہ تم پہلے بھی کہہ چکے ہو، ابھی نام بتاؤ یا وہ بھی میں چوز کروں؟"

"آپ ہی دیکھ لیتے یہ کہاں سمجھے گا، ابھی ویسے بھی ایگزامز نزدیک ہیں تو اسے پڑھائی سے فرصت کہاں ہے۔" نیلوفر نے کہا۔

"ابا! فیس بہت ہے اور۔۔۔۔"

"تم فیس ویس کی فکر نہ کرو۔ بس پڑھائی کرو۔"

"میرے دوست کا بھائی آشیرواد کلاسز میں جاتا ہے۔۔۔۔۔" تائب نے کہا۔

"میں اس سے پوچھتا ہوں اس کے بارے میں۔"

"ہاں۔ اتنا کر لو ذرا۔ پھر یا منگل کو ایڈمیشن کروا دیتا ہوں۔ جتنا جلدی کریں گے۔ اتنا زیادہ ڈسکاؤنٹ ہے۔ دسویں کے امتحان اور رزلٹ کے بعد ایڈمیشن لیا تو یہی رقم ڈبل ہو جائے گی۔"

اس نے سر جھکا کر کھانا کھاتے صہیب کو دیکھا اور اسے اس پر بڑا ترس آیا۔

جو سب کے لیے عام سی بات تھی، وہ کسی کے لیے زندگی اور موت کا سوال بن گئی تھی۔ صہیب کے پی سی سے ای میل کرنے کے بعد وہ اس پر ہی یوٹیوب دیکھنے لگی تھی، دیکھتے دیکھتے کچھ یاد آیا تو کچھ دن پہلے دیکھی ویب سائٹ کھولنے کے لیے وہ براؤزر ہسٹری میں گئی اور اسکرول کرتے ہوئے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ صہیب نے اسے پی سی استعمال کرنے کی اجازت کے ساتھ پاس ورڈ بھی دے رکھا تھا لیکن وہ ای میل کرنے اور دیکھنے کے سوا اس پر اور کچھ نہیں کرتی تھی، یہ بات وہ بھی جانتا تھا اسے یہ معلوم نہیں تھا۔ کچھ دن سے وہ اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں دیکھنے پڑھنے لگی تھی اور شاید اسی لیے یہ بے احتیاطی ہوئی تھی۔ اس کے اندر کی دنیا میں جھانکنے کے بعد اسے صہیب کے لیے اپنے جذبات کی پہچان بھی اسی وقت ہوئی تھی۔ جو اسے اپنی سگی بہن کے لیے محسوس نہیں ہوا تھا وہ سوتیلے بھائی نے دل میں جگا دیا تھا۔

☆☆☆

روٹی پکاتے وقت اس کا ہاتھ جل گیا تھا۔ وہ معمول کی طرح اپنا کام کر رہی تھی جب پلنگ پر بیٹھے تائب کی نظر سرخ نشان پر پڑی۔

"کیسے جلا؟"

"پکاتے وقت گرم توے پر ہاتھ لگ گیا تھا۔" وہ جواب نہیں دیتی تب تک اس نے دس طریقوں سے یہی پوچھنا تھا۔" اس لیے کہہ دیا۔

"تم ذرا خیال نہیں رکھتیں میری امانتوں کا۔" منیبا نے سر اٹھا کر اسے گھورا۔

"تمہاری بکواس بڑھتی جا رہی ہے، میں امی سے شکایت کر دوں گی۔"

"کر دو۔ اچھا ہے۔ میں ان سے کہہ دوں گا یہ ہاتھ فقط میرے ہاتھوں میں قید ہونے کے لیے بنے ہیں ان سے کام نہ کروایا کریں۔"

لاحول! ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔

"میں نے کب زاہد و پارسا ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟"

"کوشش تو کر سکتے ہو۔"

"تمہارے ہوتے ایسی کوشش ممکن نہیں۔"

"مجھے الزام مت دو۔"

"میں تو حشر میں بھی سب تسلیم کرتے ہوئے یہی کہوں گا، میرے بہکے تصور اور خیالات کی ذمہ دار تم ہو، پہلی بار میں مان کر شادی کر لیتیں تو۔۔۔۔۔"

"وہاں یہ بہانے نہیں چلیں گے، اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔"

"بہانے کیسے؟ سچ ہوگا وہ۔"

"بس ایسے ہی 'سچ' ہیں تمہاری ساری دین داری اور دنیا داری میں۔"

"اس منافق دنیا میں ایسے سچ کہنے والے ہی جیتی ہیں۔"

اس نے سُنبُنا کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا اور چہرہ بے تاثر رکھنے کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے وہ جانتی تھی۔ وہ کس منافق دنیا کی بات کر رہا ہے۔

اچھی یا بری جیسی بھی مگر یہ سچائی روز روشن کی طرح واضح تھی کہ وہ منافق نہیں تھا۔ جو اور جیسا اس کے دل میں ہوتا تھا۔ وہ اس کے بے لاگ اظہار کا عادی تھا۔ نفرت ہو یا محبت، اپنی خواہشیں جو چاہے خود غرضی میں شمار ہوں یا آوارگی کہلائے یا دوسرے کے متعلق رائے پھر وہ بدتمیزی کہلائیں یا بدتہذیبی، وہ سب بلا جھجک اور بلا مروت زبان پر لے آتا تھا۔ اس نے کچھ بھی اس لیے اپنے تک نہیں رکھا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے، اس کے متعلق کوئی کیا سوچے گا۔ وہ کڑوی کسیلی کو شہد میں ڈبونے کا بھی قائل نہیں تھا۔

"دونوں بہن بھائی ایک جیسے ہیں۔" اس نے سوچا۔

"کیا سوچنے لگیں؟" اس کے پرسوچ چہرے سے اس کی نگاہ ہٹی نہیں تھی۔

اس نے پہلے ہی اسے ضرورت سے زیادہ جواب دے دیے تھے اس لیے اب چپ رہی۔

"نین!" وہ سر جھکائے اپنا کام کرتی رہی۔

"میرے ایگزامز کے بعد میں امی ابا سے کہوں گا اگر وہ مان گئے تو وہ ہی خالہ کے پاس آئیں گے ورنہ پھر میں خود خالہ یا سفیر سے بات کر لوں گا۔"

زینہ چڑھتا سفیر وہیں رک گیا۔

اسے سُنبُنا کا جواب سننا تھا۔

"پھر تم شکایت مت کرنا کہ میں نے تمہیں آگاہ نہیں کیا تھا۔"

"یار تم شادی کے بعد تو ایسے نہیں کرو گی نا؟"

"تمہاری بات ہو گئی تو جاؤ اب۔" سُنبُنا نے کہا۔

"کیوں جاؤں، میری خالہ کا گھر ہے ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔"

"تو چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

"وہ ممکن نہیں۔"

سفیر واپس پلٹ گیا۔ سوچنے کو بہت کچھ تھا۔

☆☆☆

دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" نیلوفر نے سر الماری کے پٹ سے باہر کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔

"اب کیا نیا تماشا پلان کیا ہے۔" انہوں نے بے دلی سے سوچا اور اپنے کام میں لگ گئیں۔

"کیا بات ہے؟" ریاض الدین نے پوچھا۔

"میں امی کے پاس واپس چلی جاؤں گی لیکن میری ایک شرط ہے۔" نیلوفر کے ہاتھ رک گئے۔ انہوں نے پٹ بھیڑا اور اسے دیکھنے لگیں۔

"کیا؟"

"آپ صہیب کو اس کی مرضی سے پڑھائی کرنے دیں گے۔" اس نے کہا تو انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"بلکہ اسے جو بھی کرنا ہے اور جہاں بھی کرنا ہے ایڈمیشن کے لیے میں اس کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ کچھ کام کرتی ہی نہیں تھی۔

اتنی عجیب بات تھی کہ وہ فوراً کچھ کہہ نہ سکے۔ بس اچنبھے سے اسے دیکھتے رہے۔

"اگر آپ ابھی وعدہ کریں بلکہ لکھ کر دیں مجھے تو میں کل ہی چلی جاؤں گی۔" نیلوفر نہ سمجھ میں آنے والے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اسے انجینئر نہیں بننا، آپ زبردستی نہیں کریں بلکہ اسے جو پڑھنا ہے اسے پڑھنے دیں۔"

"مطلب..... تمہارے یہاں سے جانے اور صہیب کی پڑھائی کا آپس میں کیا تعلق؟"

نیلوفر نے شوہر کی بات پر انہیں غصے سے گھورا، مطلب تو ان کے بجائے ریاض الدین کی سمجھ میں آنا چاہیے تھا لیکن اب وہ یہ جان گئی تھیں کہ ساری زندگی میں واحد جذباتی کام جو انہوں نے کیا تھا وہ دوسری

شادی تھی۔

"آپ چاہتے ہیں۔ میں یہیں رہوں، آپ کو میری شادی کرنا پڑے، جہیز دینا پڑے، اس سے پہلے رشتہ ڈھونڈنا پڑے اور اس سے بھی پہلے کسی دن میں صبا اور امی کو بھی یہاں لے آؤں؟" اس نے الٹا سوال داغا۔

خیر! اتنے دنوں سے وہ کسی طرح اس بات کے لیے ذہن تیار کرنے کی کوشش کر تو رہے تھے لیکن یہ سب نہ کرنا پڑے اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے جواب دیا۔

"آپ گواہ ہیں اس بات کی۔" اس نے نیلوفر کو دیکھ کے کہا اور باہر نکل گئی۔

"یہ لڑکی ہمیشہ حیران کرتی ہے۔" ریاض الدین نے نیلوفر کو دیکھا۔

وہ کمرے میں جانے کے بجائے بائیں طرف آ گئی۔

صحن کا پلنگ خالی تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئی۔ ہال میں بتول پلنگ پر بیٹھی چشمہ لگائے کروشیا سے کچھ بن رہی تھیں۔ سارہ نیچے فرش پر بیٹھی کانچ کا کام کر رہی تھی۔ سُنیتا باورچی خانے میں تھی۔ وہ سلام کرتے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"مجھے بھی سکھا دیں۔ ذرا صبا کو امپریس کروں گی پھر۔"

"یہ آپ کے بس کے کام نہیں۔" سارہ نے سر اٹھائے بنا کہا۔

"ٹھان لوں تو سب کر سکتی ہوں۔"

"شاید لیکن ابھی آپ صرف اپنی بہن کو امپریس کرنے کا سوچ رہی ہیں۔"

"تم نے کیا نفسیات پڑھنا شروع کر دی؟"

"وہ تو میں ہوش سنبھالتے سے پڑھ رہی ہوں۔"

"اوہ بقراطن تم ایسی!" اس نے منہ بنایا پھر ہنس دی۔

"تم کیا اپنی امی کی طرف جا رہی ہو؟" بتول نے اس کا چہرہ ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔ میں کل پرسوں چلی جاؤں گی واپس۔" اس نے ذرا وقفہ لیا۔ "ہمیشہ کے لیے۔"

"ہیں! کیوں؟" سارہ نے پوچھا اور سُنیتا بھی باورچی خانے سے باہر آ گئی۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔

"میں نے ابا سے ایک معاہدہ کر لیا ہے۔"

"کیسا معاہدہ؟"

"مصیب جانوروں کا ڈاکٹر بنے گا اور میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ وہ مان گئے؟" بتول اور سُنیتا سے پہلے سارہ ہی سارے سوال کر رہی تھی۔

"تو وہ مان گئے؟"

"ہاں کہا ہے میرے سامنے، اب میں مکرنے تو دوں گی نہیں۔"

"آپ کوئی اور بھی معاہدہ کر لیتیں۔"

"کون سا؟"

"آپ جس مقصد یا ارادے سے یہاں آئی تھیں، وہ سب یا اس کا کچھ حصہ، اس طرح خالی ہاتھ تو نہ جاتیں۔"

"سارہ! زیادہ زبان نہیں چل رہی تمھاری۔" بتول نے بیٹی کو ڈانٹا۔

"خالی ہاتھ تو نہیں جا رہی میں۔" اس نے یونہی اپنی ہتھیلی کھول کر سامنے کی۔

"زندگی لکیروں کا کھیل ہے بیٹا۔" بتول نے اسے لکیروں میں الجھے دیکھ کر کہا۔

"جو دنیا میں آنے سے پہلے ہمارے ماتھے پر کھینچ دی گئی ہیں، ان تک ہمارے ہاتھ نہیں پہنچتے نہ یہ وقت سے پہلے نظر آتی ہیں لیکن جب دکھائی دیتی ہیں ناں تو اسی وقت اسے بگاڑنے اور سنوارنے کے لیے چند انسانی لکیریں کھینچنے یا مٹانے کی آزادی اور خود مختاری بھی ہمیں دی جاتی ہے۔ اس وقت ہم

درست لکیر کھینچ لیں یا درست لکیر مٹا دیں تو قابل فہم تصویر یا نقشہ بنا سکتے ہیں اور یہ نازک وقت گزر جائے ہم صحیح فیصلہ نہ کریں تو پھر ہمارے اختیار میں کچھ نہیں رہتا، انہیں سلجھانے اور سمجھنے میں ہی عمر رائیگاں جاتی ہے۔" وہ بہت غور سے بتول کی بات سن رہی تھی۔

☆☆☆

رات میں اس نے صہیب کو بتا دیا کہ وہ واپس جا رہی ہے۔

"لیکن کیوں؟"

"بس ایسے ہی امی ابو اور صبا کے بغیر اتنے ہی دن رہ سکتی ہوں۔"

"کیا وہ دونوں نہیں آسکتیں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ وہ اپنی عمر اور اس دور کے لحاظ سے بے حد معصوم تھا۔

"یہ سب چھوڑو۔ تم نے کوچنگ سینٹر ڈیسائیڈ کیا؟"

"میرا اس بارے میں سوچنے کا دل ہی نہیں کرتا۔"

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ وہ مان جائیں گے۔"

"کیسے؟"

"میں کہہ رہی ہوں نا بلکہ میرا وعدہ ہے تم سے کہ تم وہی بنو گے..... کیا کہتے ہیں اسے وہ بھی....."

"تھینک یو۔ تھینک یو۔" وہ جوش میں اس سے لپٹ گیا۔

امینہ پہلے گڑبڑائی پھر اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگی۔

"لیکن اب فائنل ایگزامز کی تیاری پر توجہ دو۔"

"[illegible] بیٹے اس بات پر [illegible] ہے۔ [illegible] آنے والے ہیں نا؟" [illegible] ہو کر اس نے امینہ کا ہاتھ پکڑا۔

"چلو۔" وہ تیار تھی۔ کمرے سے باہر آ کر اس نے آواز لگائی۔

"امی! ہم کارنر تک جا رہے ہیں۔"

نیلوفر باہر آ گئیں تب تک وہ باہر چلے گئے تھے۔

☆☆☆

وہ آج اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی اور وہ ساڑھے تین بجے تک بھی نہیں آیا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے اور ٹہل ٹہل کر اب اکتا گئی تھی۔

"مجھے کسی بہانے فون نمبر ہی لے لینا چاہیے تھا۔" تب ہی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ سیدھی ہو گئی۔ وہ اسے دیکھ کر رک گیا۔ صحن کے کمزور سے بلب کی زرد روشنی میں اس کے چہرے پر بکھری اداسی اسے رنجیدہ کر گئی۔

"کیوں مت پوچھنا۔ تمہارے لیے ہی جاگ رہی ہوں۔" لیکن چہرے کی اداسی کا اثر باتوں میں نہیں تھا۔

"کیوں؟"

"میں کل جا رہی ہوں، ہمیشہ کے لیے۔"

"کیوں؟"

"نہ جاؤں؟"

"میں تمہاری مرضی کے خلاف کر ہی کچھ نہیں سکتا، دو دن پہلے ہی تم کسی بات پر سارہ سے کہہ رہی تھیں۔"

"تو تم میری باتیں سنتے ہی نہیں یاد بھی رکھتے ہو۔"

"یہ ممنوع تو نہیں۔" وہ اس سے فاصلہ قائم رکھتے ہوئے پلنگ پر ٹک گیا۔

"مجھے لگا تھا میرے جانے کا سن کے تمہیں تھوڑا تو افسوس اور دکھ ہوگا۔"

"پھر کیا لگا تمہیں؟ مجھے افسوس اور دکھ ہوا؟"

"اگر تمہیں بھی نہیں ہوا تو مجھے ہوگا...." وہ [illegible] دیکھنے لگی۔ اس سے زیادہ [illegible] تھا۔

"امینہ!" اس نے دونوں ہتھیلیاں پیچھے ٹکائیں اور اوپر دیکھنے لگا۔ وہ سر موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے کبھی اس کا نام نہیں لیا تھا۔

"تم نے وہ سوراخ بند کرنے کی کوشش کی تھی۔

"وہ بند سوراخ کو دیکھ رہا تھا۔" وہ چھوٹا تھا اس لیے مشکل نہیں ہوئی تھی۔ تم چلی جاؤ، مشکل نہیں ہوگی۔"

"تم نے یہ کہنے میں دیر کر دی۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ "جس دن پہلی بار یہاں دیکھا تو تب کہہ دیتے، چلی جاؤ۔"

سفیر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے گردن سیدھی کرلی۔

"کون سی اچھی بات کہوں جو تمہاری مشکل آسان کردے؟" وہ اسی سے پوچھ بیٹھا۔

"کہو! تم نہیں چاہتے' اس رات کی صبح ہو، یہ رات کبھی ختم ہو......" اس نے اسے دیکھے بغیر کہا۔ وہ ابھی تک ہاتھ ٹیکے اس سے پیچھے تھا۔ اسے اس کے چہرے کا ایک ہی رخ دکھائی دے رہا تھا۔ ذرا دیر کی چپ کے بعد وہ گویا ہوا۔

"میں چاہتا ہوں۔ یہ رات تھم جائے، ہوائیں رک جائیں، وقت اس لمحے کو دائمی کردے، یہ الفاظ ہمیشہ تمہارے کانوں میں گونجتے رہیں، میں تمہیں دیکھتا رہوں، میری نظریں تمہیں روشن کرتی رہیں، میری دھڑکنیں ان رکی ساعتوں کی موسیقی بن جائیں، جس کی طرز پر تمہاری سانسیں رقص کریں، میری انگلیاں تمہارے بالوں میں تیریں اور ان کی خوشبو میرے وجود کو معطر کردے لیکن اینہ......"

وہ پلنگ سے ہاتھ ہٹا کر اس کے مقابل آیا اور اسے دیکھا۔

"میں تمہیں اپنے وقت میں قید نہیں کرسکتا، میرا وقت میرا نہیں ہے اور تم آزاد پنچھی ہو، مجھے یقین ہے۔ تم اپنا آسمان ڈھونڈ لوگی، انتظار کے دوسری طرف کسی خوش نما منظر کا میں وعدہ نہیں کرسکتا، میرے پاس محبتیں بہت ہیں اور ان کی خوشیوں کی فہرست بھی ہے، کب تک سارے اندراجات پر ٹک لگے گی پتا نہیں اور......"

وہ بہت ضبط کیے بیٹھی تھی۔

"اور میں تمہیں سب سے آخر میں نہیں رکھنا چاہتا۔"

وہ خاموش ہوا تو اینہ نے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر وہ سب تھا جو وہ دیکھنا چاہتی تھی، اس نے وہ سب کہہ دیا تھا جو وہ سننا چاہتی تھی، اسے اور کیا چاہیے تھا۔ وہ بھی تو چاہتی تھی' اس کی محبتیں ان کے مقام پر رہیں، اسے ان میں سے کسی کی جگہ نہیں چاہیے تھی۔ وہ اس کی فہرست کے اندراجات بھی بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔

ایک وعدہ کرو۔" وہ کھڑی ہوگئی۔

"کہو۔"

"جب کسی کو لفٹ دینے کے لیے بکنگ کینسل کرو تو مجھے بتا دینا۔"

"وعدہ۔"

وہ کچھ کہے بنا اپنے حصے کی طرف بڑھ گئی کہ آنسوؤں کی یلغار نے بولنے کے قابل نہیں رکھا تھا۔

سفیر وہیں پیچھے لیٹ گیا۔

اس کے آنے کا وقت گزر جانے پر سُنینا صحن میں آرہی تھی کہ دروازہ ذرا سا کھلتے ہی چونک کر رک گئی تھی۔ اس نے سنا کچھ نہیں تھا لیکن سمجھ سب گئی تھی۔ سُنینا دروازہ پورا بند کر کے اپنی جگہ جا کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

وہ جو بیگ لے کر آئی تھی' وہ ہی لے کر جارہی تھی۔ اس نے وہ وقت چنا تھا جب صہیب گھر پر نہیں تھا۔

"آپ اپنا وعدہ بھولیے گا مت۔" اس نے ریاض الدین سے کہا۔ انہوں نے صرف سر ہلایا۔

"ایسا نہیں ہے کہ تم کبھی آ ہی نہیں سکتیں، کبھی کبھار صہیب سے ملنے آجایا کرو۔" نیلوفر کو یوں بھی اپنے بارے میں یقین تھا کہ وہ تنگ دل نہیں۔

"میں کہیں بھی آنے جانے کے معاملے میں صرف اپنی مرضی کی پابند ہوں، دوسرے یہاں میں نے ابا سے معاہدہ کیا ہے اور میں بے ایمان نہیں۔"

اس کا وہی پہلے دن والا انداز کہ نہ بدتمیزی نہ طیش اور سامنے والا لحاظ کرنے پر مجبور۔ نیلوفر پھر بھی



Scanned with CamScanner

پہلو بدل کر رہ گئیں۔ تائب اس وقت ہمیشہ گھر میں موجود ہوتا تھا لیکن اس وقت نہیں تھا۔

☆☆☆

گھر واپس آنے اور محمودہ اور صبا کا سامنا کرنے والا مرحلہ کسی طرح اس نے طے کر لیا۔ خلاف امید محمودہ نے کوئی طنز کیا نہ باتیں سنائیں۔ وہ دونوں سمجھ رہی تھیں کچھ دن کے لیے رہنے آئی ہے۔ واپس چلی جائے گی۔

وہ جہاں سبق سکھانے گئی تھی، وہاں سے سیکھا سبق صبا کو سنانے اس کے پاس آئی تھی جو اپنی سلائی مشین پر مصروف تھی۔ اسے اس کا شکریہ ادا کرنا تھا، اپنی خود غرضی اور بے حسی کا اقرار کرنا تھا، اس سے کہنا تھا اب وہ دونوں مل کر ذمہ داریاں اٹھائیں گی، بوجھ بانٹیں گی، وہ اس کا ساتھ دے گی لیکن سب کچھ دھرا رہ گیا جب صبا نے اسے نئی خبر سنائی۔

"ابھی تاریخ طے نہیں کی ہے لیکن وہ کہہ رہے تھے جلدی کا کوئی دن رکھ لیں گے۔"

"کون؟"

"جب امی اور میں مکان ڈھونڈ رہے تھے تب اکبر ہمیں ملے۔ وہ اسٹیٹ ایجنٹ ہیں، مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں، یہ ان کی دوسری شادی ہوگی۔ وہ میرے ساتھ امی کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ الگ مکان بھی دیکھ لیا ہے جسے وہ میرے نام کریں گے۔"

"ہا...... صبا...... یہ...... یا اللہ......" اس نے سر تھاما۔ "امی...... کو بتایا تم نے؟ وہ بھی......"

"امی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" یہ ناقابل یقین سے الفاظ امینہ کے کانوں میں پگھلے سیسہ کی طرح اترے تھے۔

"صبا! تم مجھ سے خفہ ہو اس لیے یہ سب کہہ رہی ہو ناں؟" اس نے آگے کھسک کر صبا کا ہاتھ تھاما۔

"مجھے اپنی غلطی سمجھ میں آگئی ہے، اپنی سوچ کا قصور بھی پتا چل گیا ہے، میں اپنی خود غرضی کو خودداری سمجھنے لگی تھی، اپنے علاوہ تمہارے اور امی کے حالات اور احساسات سمجھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی لیکن تم اس کی ایسی سزا تو نہ دو۔ یہ سچ ہے میں نے صرف اپنے بارے میں سوچا لیکن تم نے تو ہمیشہ امی اور میرے بارے میں سوچا یہاں تک کہ خود کو پیچھے اور ہماری ضرورتوں کو اول رکھا......"

"تو سمجھو اب میں اپنی ضرورت کو اول رکھ رہی ہوں۔" صبا نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھا۔

"کیسے صبا؟ یہ تو ایک پریشانی سے نکل کر دوسری بڑی پریشانی کو گلے لگانا ہے۔"

"غور سے سنو اور سمجھو! میری عمر ستائیس سال ہے، میری صورت عام سی، ہم قرض میں ڈوبے ہیں، کمائی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں، کسی رشتے دار کا آسرا نہیں، نوبت سڑک پر آنے یا زبیدہ ماموں کے گھر پڑے رہنے کی آچکی ہے، شادی کے کوئی آثار نہیں، اپنی عمر اور بیماریوں کو دیکھتے ہوئے امی کو خود اپنی زندگی پر اعتبار نہیں۔ ایسے میں بتاؤ کیا اچھے آپشن ہیں ہمارے پاس؟"

"صبا! ابا کے پاس چلو، میں ان سے سب کروالوں گی، اگر ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں تو الگ رہیں گے اور ہر ماہ ان سے خرچا لیا کریں گے۔" سینہ ٹھونک کر اپنی ایمان داری کا اعلان کرنے کے کچھ گھنٹے بعد ہی وہ بے ایمانی پر اتر آئی تھی۔

"امینہ! تم امی کے بارے میں جو سوچتی ہو وہ سب اگر صحیح ہے بھی تو ایک بات اور مان لو۔ انہیں میری فکر تھی کہ دوسری بیوی کے بچے آنے کے بعد میرا کیا ہوگا، میں کہیں دوسرے درجے کی شہری نہ بن جاؤں، اگر بیٹا ہوا تو کیا ہوگا، ان کے اس فیصلے کے پیچھے ایک وجہ میں بھی تھی اور اب اس عمر میں، میں نہیں چاہتی وہ یہ سوچیں اور دنیا بھی کہ جس اولاد کی خاطر شوہر اور گھر چھوڑا، در در کی ٹھوکریں کھائیں آج وہی انہیں چھوڑ کر باپ کے پاس چلی گئی، امی کو اس عمر میں یہ دکھ نہیں دینا چاہتی۔ انہوں نے بہت



Scanned with CamScanner

دکھ اور تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ بھلے تم اس کا ذمہ دار انہیں ہی سمجھتی ہو لیکن میں انہیں جسمانی، ذہنی سکون اور آرام دینا چاہتی ہوں، انہیں ہر فکر سے آزاد دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"تو ہم دونوں مل کر کھینچیں گے نا زندگی کی گاڑی۔ میں اب سنجیدگی سے ایک جگہ ٹک کر نوکری کروں گی، گھر میں بھی کوئی کام کروں گی، تمہارا ہاتھ بٹاؤں گی، امی کو ہر طرح سے آرام دوں گی، تمہاری قسم۔ کوئی کڑوی کسیلی بات نہیں کروں گی ان سے، اور مجھے یقین ہے اسی صورت سے بنا جہیز کے شادی کرنے والا بھی کوئی مل جائے گا، ابھی وقت ہے۔ اتنی بھی عمر نہیں تمہاری۔"

"اینہ! یاد کرو تم امی سے کیا کہتی تھیں اور تم صحیح کہتی تھیں کہ انہوں نے خود کو پہچانا نہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو سمجھا، دوسروں کی سن سن کر اپنی زندگی کے فیصلے کیے، جلد بازی کی، میں وہ غلطی نہیں دہرا رہی، میں وہ ہی کر رہی ہوں جو تم چاہتی تھیں......" اینہ بری طرح رونے لگی۔

"خود کو سمجھ کر، اپنے حالات اور آس پاس کے لوگوں کو سمجھ کر......"

"میں بدل گئی ہوں صبا......" عاجزی سے کہتی اینہ اور تیزی سے رونے لگی۔

"میں تمہاری بات نہیں کر رہی اینہ! تمہیں بدلنے کی ضرورت نہیں، بالکل نہیں بدلنا، اپنے لیے سوچنا، اس دنیا میں زندہ رہنے اور اسے جھیلنے کے لیے لازمی ہے۔ تمہیں میری طرح سہارے کے لیے کسی کو تھامنے یا سمجھوتا کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، ایسے ہی جینا، تم میری طرح کمزور دل اور ڈرپوک نہیں ہو نہ ہی جذباتی ہو اور یہ سب خوبیاں ہیں۔" وہ بھی رونے لگی اور اینہ کے آنسو پونچھے۔

"یہ سوچو ہمارے پرانے مالک مکان کی طرح اکبر نے بری نظر نہیں ڈالی، چور دروازہ استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ صاف مدعا بیان کیا۔ ان کی بیوی بیمار رہتی ہے، بچے سمجھدار ہیں، پیسوں کی کمی نہیں، میری ساری ڈیمانڈز پوری کر رہے ہیں، تو اس میں برائی یا غلطی کیا ہے؟ دوسری شادی یا دوسری بیوی ہونا گناہ تو نہیں، نہ ہی اس کے بعد ہمیشہ ناانصافی یا ظلم ہی ہوتا ہے۔ اس میں شامل فریق کی عقل، دیانت داری اور مزاج پر منحصر ہے، یہ ایک صحت مند رشتہ اور درست فیصلہ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"میں گھر سے نہ جاتی اور یہیں رہ کر گھر دیکھنے اور پیسوں کے انتظام میں مدد کرتی تو یہ سب نہیں ہونا تھا۔" ملال ہی ملال تھے۔

"اکبر تب بھی ملنے تھے اور میرا فیصلہ اس صورت میں بھی ان کے حق میں ہونا تھا، تم خود کو قصوروار نہ سمجھو نہ کوئی پچھتاوا رکھو۔ اچھا ہوا اس سے پہلے ہی تم وہاں چلی گئی تھیں، اب وہاں سیٹ بھی ہو گئی ہو۔"

وہ خاموش اس کا چہرہ تکنے لگی۔

☆☆☆

رات ایک بجے منیبا نے فون کر کے اسے صحن میں بلایا تھا۔

"زہے نصیب میرا ویٹ ہو رہا ہے!" ثاقب شوخی سے کہتا اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ہاں۔" اس کے جواب پر وہ بے ہوش ہونے کو تھا کہ اگلے جملے اور لہجے نے ہوش ٹھکانے لگا دیے۔

"بیٹھو۔" اس نے پلنگ سے دوسرے سرے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ہوا ہے؟" اس کی سنجیدہ شکل میں کچھ اور چھپا تھا جو اسے کھٹک گیا۔ وہ بیٹھ گیا۔

"تم میرے ساتھ جو بکواس کرتے رہتے ہو، وہ دل لگی ہے یا سچ میں تم......" وہ رک گئی۔ اسے امید تھی پہلے الفاظ سن کر ہی وہ بھڑک کر اس کی بات کاٹ دے گا لیکن وہ اب اس سے زیادہ سنجیدہ شکل لیے اسے تک رہا تھا۔

"بات پوری کرو۔" وہ خاموش ہی رہی تو اس

نے کہا۔ وہ سر جھکا کر انگلیاں مروڑنے لگی تو وہ بولا۔
"نین! میری باتیں، خواہشیں، محبتیں سب سچی ہیں اور یہ تم بھی جانتی ہو، اس سفر میں میں اکیلا نہیں ہوں بس تم قبول نہیں کرتیں۔ خیر! مجھے کیوں بلایا؟ وہ کہو۔"

"تم نے آگے کیا سوچا ہے؟"

"یہ میرا لاسٹ سمسٹر ہے، اس کے بعد کہیں جاب ملتے ہی تم سے شادی کروں گا۔"

"کیسے؟ خالو، خالہ مان جائیں گے؟"

"نہ مانیں، میں پھر بھی تم سے شادی کرلوں گا۔"

"اس طرح امی مانیں گی؟"

"تم ان سب کی فکر نہ کرو۔ میں سب کو منالوں گا، ایک بار کچھ ٹھان لوں تو پھر کر کے رہتا ہوں۔"

"اور مجھے کیسے مناؤ گے؟" اس نے کچھ اس طرح کہا کہ وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

"سب مان جائیں لیکن میں ہاں نہ کروں تو تم کچھ نہیں کرسکتے۔"

"تم کیوں ہاں نہیں کرو گی جب کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔"

"کیونکہ میں اپنے بھائی سے بھی محبت کرتی ہوں"

اس کے ایک 'بھی' نے اسے ہفت اقلیم کی دولت عطا کردی تھی لیکن وہ جشن بھی نہیں منا سکتا تھا۔

"انہوں نے اپنی زندگی ہم سب کے لیے وقف کر رکھی ہے لیکن محبت اور اس کی رنگینیوں پر ان کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا۔ وہ اس گھر کی جگہ بڑی عمارت کے خلاف کیوں ہیں تمہیں پتا ہے؟"

ثاقب نے نفی میں سر ہلایا۔

"سب سے اہم تو یہ کہ وہ زیادہ وقت گھر پر نہیں ہوتے ہیں اور تمہارا گھر بازو میں ہونے کی وجہ سے ہم اکیلے نہیں پڑتے، محفوظ ہیں، اس محلے میں امی کی پہچان اور نام ہے، انہیں عربی اردو پڑھانے کے لیے سب ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، میرا کام بھی یہیں قریب سے مجھے مل جاتا ہے۔ سارہ کا کالج پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ اگر ہمیں سال دو سال کے لیے یہ گھر چھوڑنا پڑے تو یہ سب بکھر جائے گا۔ یہیں ہم کرایے کا مکان نہیں لے سکتے کہ اس علاقے کا کرایہ افورڈ نہیں کرسکتے، ہم سب کے کام چھوٹ جائیں گے، نئی جگہ انجان لوگوں کے بیچ کام ڈھونڈنے کی خواری الگ، سارہ کے کالج آنے جانے کا خرچ بڑھ جائے گا...... بہت کچھ ہے، کیا کیا کہوں تم سے۔ میری اور امی کی دوائیں، پابندی سے ڈاکٹر کے چکر اور کسی انہونی پر بڑا خرچا...... بھائی کس طرح مینج کرتے ہیں۔ میں جانتی ہوں، ان کے اختیار میں ہو تو وہ چوبیس گھنٹے کام کریں، سوئیں بھی نہ۔" وہ پہلی بار اس کے سامنے اتنا بول رہی تھی، وہ بھی دل کھول کر۔

"انہیں اسی لیے بہترین فلیٹ نہیں چاہیے بلکہ اسی پرانے گھر میں رہنا ہے۔ اور ہم ایک پیسہ نہیں لگا سکتے تو ہمیں اس مکان کے بدلے ایک فلیٹ ہی ملے گا، دوسرا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جو تمہارے ابا کو بطور انویسٹر اور ڈیولپر ہوگا۔ ان سب کے باوجود کچھ دن پہلے وہ امی کو نئے ملنے والے فلیٹ کی افادیت بتا رہے تھے میں دیکھ رہی ہوں، وہ کچھ دن سے امی کو قائل کرنے کی کوشش میں ہیں اور اس کی وجہ جانتے ہو کیا ہے؟" وہ خاموش سن رہا تھا۔

"انہیں لگتا ہے اس مہربانی کے بعد خالو میرے لیے راضی ہوجائیں گے اور وہ کہیں گے تو امی خوشی خوشی مان جائیں گی، جانے انہیں کیسے اس کی خبر ہوئی......"

وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے رو رہی تھی۔

"میری خوشی کے لیے انہوں نے اپنے لیے مشقت کی چکی میں پس رہی زندگی کو اور مشکل راستوں پر ڈالنے کا سوچ لیا ہے اور اسی لیے انہوں نے امینہ کو بھی مایوس کیا۔" اس نے آنسو صاف کیے۔



Scanned with CamScanner

"امینہ کہاں سے آگئی درمیان میں؟"
اس نے پوچھا
سُنینا نے اس کا جواب نہیں دیا۔

"تم میرا ایک کام کردو تو میں خالو نہ بھی آئیں تو امی سے کہہ دوں گی' مجھے تم سے شادی کرنی ہے۔"

وہ بھی خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ سُنینا اس سے ایسی کوئی بات کہہ سکتی ہے۔

"تم شان لو تو سب کچھ کر سکتے ہو نا تو کسی طرح خالو کو منا لو کہ وہ مکان کے اس حصے کو ری ڈیولپمنٹ پلان میں شامل کرنے کی ضد چھوڑ دیں اور وہ اس حصے کے کاغذات امی کے حوالے کردیں، ان سے یہ منوالو تو میری ہاں ہے ورنہ میں مرجاؤں گی مگر تم سے شادی نہیں کروں گی۔" اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

"میری ہاں میرے بھائی کی خوشی سے مشروط ہے۔" وہ کھڑی ہوکر جانے لگی تھی کہ رک کر پلٹی۔

"اور ہاں جہیز یا عالی شان فنکشن کی توقع غلطی سے بھی مت رکھنا، اگر مجھے چاہتے ہو تو دو جوڑی کپڑوں میں ہی قبول کرو۔"

اس کی حیرانی کی جگہ اب شادمانی تھی۔ وہ جو کہہ رہی تھی وہ آسان نہیں تھا لیکن اس نے ابھی ابھی جو سنا' وہ بھی تو اسے ناممکن لگتا تھا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد سُنینا نے کہا۔
"تمہیں پتا ہے امینہ واپس چلی گئی ہے ہمیشہ کے لیے؟" ایک اور جھٹکا۔

"ہمیشہ کے لیے؟"

"اس نے خالو سے وعدہ لیا ہے کہ صہیب کو اس کی خوشی اور پسند سے کریئر منتخب کرنے دیں گے تو وہ بھی واپس نہیں آئے گی۔"

"صہیب کی پسند اور خوشی، اس کا کریئر......" وہ تو جانتا بھی نہیں تھا' اس کی دلچسپی کیا ہے۔

"اتنی سی بات کے لیے وہ گھر چھوڑ دے......؟ ناممکن۔"

"محبت سب کروالیتی ہے، بہن بھائی کی محبتوں کے معجزے تمہارے سامنے ہیں، تم اپنی محبت کا یقین دلا دو تو وہ بھی کسی معجزے سے کم نہ ہوگا۔"

وہ اندر چلی گئی اور وہ وہیں بیٹھا رہا۔

امینہ صہیب کے لیے وہ جگہ چھوڑ رہی تھی جسے حاصل کرنے کے لیے اس نے محاذ سنبھالا ہوا تھا، سفیر اور امینہ کا بھی ایک قصہ تھا اور سُنینا اپنی محبت بھائی کی خاطر قربان کرنے تیار تھی، اس کے سامنے اقرار کرتے ہوئے اس نے اپنی انا اور عزت نفس پہلے ہی تیاگ دی تھی......اس کا سر گھومنے لگا۔

"اس گھر میں کیا ہو رہا ہے!" اس نے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔

☆☆☆

ساری رات سوچنے کے بعد اگلی صبح وہ پھر سُنینا کے سامنے تھا۔

"امینہ کے فیصلے کی اصل وجہ کیا ہے؟" اسے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ صہیب کے کریئر جیسی معمولی بات کی وجہ سے واپس جارہی ہے۔

"تمہیں یقین نہیں آرہا کہ اسے صہیب کی تم سے زیادہ فکر ہے؟"

"ہاں۔ مجھے نہیں یقین۔"

"صہیب انٹرنیٹ پر آسانی سے مرنے یعنی سوسائیڈ کے طریقے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ شارٹ لسٹ کرکے رکھے تھے، مرنے کے لیے ملنے والا سامان، کہاں دستیاب ہوگا' اس کی لسٹ، مرنے میں لگنے والا وقت، سوسائیڈ کرنے کا مناسب وقت اور اس کی وجہ بھی......"

سُنینا نے یہ امینہ سے بڑی مشکل سے اگلوایا تھا۔

"بس۔" تائب نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔

"میرے بھائی کو بھی مجھ سے چھین لیا۔" اس نے دل میں امینہ کو کوسا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ کوچنگ سینٹر کا پراسپیکٹس ریاض الدین کے سامنے رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔



Scanned with CamScanner

"میں نے صہیب کا ایڈمیشن کروادیا ہے، یہ صرف لوہاتھ سائنس کی پری پیریشن کرواتے ہیں۔ میرے دوست کی بہن بھی یہیں جاتی ہے، اچھے رزلٹ ہوتے ہیں ان کے۔ صہیب کو کسی انٹرنس کی تیاری کی ضرورت نہیں ہے۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو ابھی باپ بیٹے میں تو تو میں میں شروع ہو گئی ہوتی لیکن امینہ کی بات کے بعد آج تائب کی بات پر وہ ذرا متعجب ہوئے پھر انہیں لگا وہ اس کا سہرا امینہ کے سر نہیں باندھنا چاہتا اور نہ اسے اس گھر میں دیکھنا چاہتا ہے اس لیے ان کے کچھ کرنے سے پہلے خود ہی کرلیا۔ اور یہ سچ بھی تھا لیکن اس کے پیچھے کی حقیقت سے وہ لاعلم تھے۔ ان دونوں کے جھگڑے کسی کے لیے راز نہیں تھے۔ نیلوفر اس کی حرکت پر ان سے زیادہ حیران تھیں۔ وہاں سے وہ سیدھا امینہ کی طرف آیا۔

"صہیب کا ایڈمیشن کروادیا ہے جہاں وہ چاہتا تھا اپنی سہیلی سے کہو اسے قربانی دینے کی ضرورت نہیں، سوٹ نہیں کرتا اس پر یہ سب، آکر لڑے مرے یہاں پھر سے۔" آج وہ رکا نہیں تھا اتنا کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

"تم بہت زیادہ اپنی من مانی کرنے لگے ہو۔" ریاض الدین اس کا پہلا جملہ سن کر ہی بھڑک گئے تھے۔ پہلے صہیب اور اب یہ۔

"آپ ہی کہتے تھے کہ میں ذمہ داری اٹھاؤں، اب وہی کررہا ہوں تو آپ کو اعتراض ہے۔"

"نئی کنسٹرکشن سے تمہیں کیا مسئلہ ہے؟" بیٹا ابھی سے "ان" کے قبضے میں چلا گیا تھا۔

"میری شادی لیٹ ہوگی جس کی مجھے بہت جلدی ہے۔" شرم تو اسے پہلے بھی کبھی نہیں آئی تھی۔

"پہلے میری پوری بات سن لیں۔ میرا ایک پروپوزل ہے، میں صہیب کی ایجوکیشن کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں، جتنی بھی فیس جو بھی کالج ہو، وہ جتنا بھی آگے تک پڑھنا چاہے میں پیچھے نہیں ہٹوں گا، اس کی کفالت سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا، بس آپ یہ اپنی نئی انویسٹمنٹ اور بزنس کی شروعات اس گھر سے کرنے کا خیال چھوڑ دیں۔ آپ کو مستقبل کے لیے انویسٹ ہی کرنا ہے یا آپ کو رینٹل اسٹیٹ میں ہاتھ ہی ڈالنا ہے تو صہیب کی فکر چھوڑ کر ساری سیونگز اور ریٹائرمنٹ کا پورا پیسہ ادھر لگادیں لیکن شروعات گھر سے نہ کریں۔"

"اور تم یہ سب کیوں کہہ رہے ہو، تم کیوں یہ سب کرو گے، تم کیوں ایسا چاہتے ہو؟"

"منیزا اسی وقت مجھ سے شادی کرے گی جب اس کا بھائی کم از کم ایک فکر یعنی گھر چھن جانے کی ٹینشن سے آزاد ہو اور آپ بھی جانتے ہیں وہ آپ کے منصوبے سے راضی نہیں ہے۔"

"یہ تم سے اس نے کہا؟" انہیں شک ہوا۔

"نہیں ابا وہ کچھ نہیں کہتی لیکن میں جانتا ہوں، اس کو جیتنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔"

"بے وقوف ہو تم لیکن میں نہیں۔"

"اس میں کیا غلط ہے؟ آپ مجھ سے جو چاہتے تھے میں وہ کرنے کو تیار ہوں، آپ کو صہیب کی ہر فکر سے آزاد کردیا ہے۔ ابھی آپ کی جاب ہے، دو سال میں جب وہ کالج کے فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن لے گا میں بھی کسی حد تک سیٹل ہو چکا ہوں گا۔ آپ صہیب کی اور اس کی پڑھائی پہ لگنے والے پیسوں کی فکر چھوڑ کر بزنس کریں، اس میں فائدہ ہو یا نقصان صہیب کی زندگی پر ان شاء اللہ کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس سیکیورٹی کے بعد آپ رسک اٹھا سکتے ہیں، بولڈ فیصلے لے سکتے ہیں جو کامیاب بزنس مین بننے کے لیے ضروری ہے اور اگر آپ واقعی بزنس کرنا چاہتے ہیں تو اس نظریے سے بھی سوچیں، دوسرے آپ کمرشل ایریاز میں دو سال بعد آپ کا پرافٹ اس جگہ سے کئی گنا زیادہ ہوگا۔ باپ اور خالو بن کر نہیں بلکہ انویسٹر اور بزنس مین کی طرح فائدہ کہاں ہے یہ دیکھیں۔"

انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی بات غلط نہیں تھی۔

"اور ایک بات......" وہ ذرا رکا۔



Scanned with CamScanner

"آمنہ یہاں سے چلی تو گئی ہے لیکن آپ جانتے ہیں وہ وکیلوں سے مل رہی ہے؟"

"تم سے کس نے کہا؟"

"آپ کی طرح مجھے بھی اس کی بات پر یقین نہیں تھا' اس لیے اس کی جاسوسی نہیں چھوڑی۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو' اس سال کے آخر میں، میں ریٹائر ہو رہا ہوں، پینشن میں ہمارا اپنا گزارا کھینچ تان کے ہوگا۔ میں مزید اخراجات کا بوجھ نہیں جھیل سکتا۔" وہ پریشان ہو گئے۔ اگر وہ واقعی عدالت جاتی تو بزنس کے سارے خواب چکنا چور ہو جانے تھے۔

"آپ اسے اپنی جگہ جاب پر لگا دیں۔"

"ہیں......؟"

"میں اور صہیب تو آپ والی سرکاری نوکری نہیں کرنے والے، اسے یہ دے کر جان چھڑا لیں۔" وہ ساری تیاری سے آیا تھا۔

"ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کی جگہ آپ کی اولاد کو اسی محکمے میں جاب مل سکتی ہے نا۔ اس سے یہ بات کر لیں اور اس جاب کے بدلے بھی عدالت نہ جانے کا وعدہ لیں، جیسی بھی ہے لیکن زبان کی پکی ہے۔"

بیٹا آج انہیں حیران کر رہا تھا۔ انہوں نے غور سے اسے دیکھا۔

"کیا یہ واقعی محبت کا کمال ہے؟"

☆☆☆

صبا اور اکبر کا نکاح ہو گیا تھا' وہ تینوں اپنے نئے گھر میں منتقل ہو گئی تھیں۔ ان دونوں کے مطابق وہ شادی تک رکی ہوئی تھی۔ اب اسے چلے جانا چاہیے تھا۔ وہ ایک بار پھر نوکری اور اس کے ساتھ ساتھ رہنے کی جگہ بھی ڈھونڈ رہی تھی۔ صہیب اب ہر روز اسے فون کر رہا تھا کہ وہ کب آ رہی ہے۔

سُنینا کا نام دیکھ کر اس نے فون اٹھایا۔

"تم واقعی اب بھی نہیں آؤ گی؟" وہ کہہ رہی تھی۔

"تم سے ملنے آؤں گی نا کبھی۔"

"ابھی آجاؤ۔"

وہ خاموش رہی۔

"تمہیں پتا ہے' ثاقب نے بارھویں کے صرف بورڈ ایگزام والے کورس میں صہیب کا داخلہ کروا دیا ہے۔"

خبر حیران کرنے والی تھی۔

"تم نے کہا اس سے؟"

"ہاں۔ اسے تمہارے جانے کی اصل وجہ بتا دی تھی۔"

"اوہ اس نے ابا سے کہہ دیا ہوگا اور......" اس نے سر پہ ہاتھ مارا۔

"اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ ہاں تمہیں پیغام دینے کہا تھا کہ تمہیں قربانی دینے کی ضرورت نہیں، تم پر یہ جچتا نہیں ہے، آجاؤ پھر لڑتے مرتے۔" وہ ہنس دی۔ "وہ گدھا ایسی باتیں بھی کرتا ہے۔"

"تم آ رہی ہو نا؟ ٹھہرنا نہیں ہے تو ملنے ہی آجاؤ، ہمارے گھر تو کبھی بھی آسکتی ہو۔"

اور اس کے اصرار پر وہ جانے تیار ہو گئی۔

"ایسے ہی جا رہی ہو؟" اسے صرف پرس اٹھاتے دیکھ کر صبا نے پوچھا۔ نئے گھر، نئے کپڑے اور نئی حیثیت نے اسے پراعتماد کر دیا تھا۔ اس کا پرسکون چہرہ ان حالات کی واحد خوب صورت چیز تھا۔ وہ دل سے اس کے لیے دعا گو تھی۔

"ہاں...... ایک بڑا بیگ لے آؤں گی واپسی میں وہاں سے تاکہ سارا سامان ایک ساتھ لے جاؤں۔"

محمودہ اپنے کمرے میں سو رہی تھیں۔ برسوں بعد وہ کرایے اور کریانے کی فکر سے آزاد تھیں۔ انہیں وقت اور زندگی نے یہ سزا دی تھی، سبق پڑھایا تھا۔ یہ ان کی مشکلوں کا انعام تھا کہ اب وہ زیادہ چپ رہتی تھیں۔ سوتن کے ساتھ نہ رہنے کی ضد نے ان سے سب کچھ چھین لیا تھا اور جس اولاد کا نام لے کر وہ

دوسری بیوی کے در نہیں گئی تھیں اب وہ ہی اولاد دوسری بیوی بن کرانہیں چھت اور در سب مہیا کر گئی تھی۔

"کہاں سے لاؤں بیگ اور کہاں جاؤں اسے لے کر؟" وہ سڑک کے کنارے سست قدموں سے چلتے سوچ رہی تھی۔

اگر ثاقب نے صہیب کا مسئلہ حل کر دیا تھا تو اس کے ابا کو اسے بلا لینا چاہیے تھا یا کم سے کم ایک فون تو کر ہی سکتے تھے۔

ریاض الدین کی زندگی میں بھی محبت تھی لیکن وہ نیلوفر کی صورت تھی جو صرف اپنا سکون اور اطمینان دیکھتی تھیں۔ ان کی زندگی میں کوئی صہیب آیا نہ کوئی ثمینا نہ سفیر۔ جو انہیں قربانی اور ایثار سکھا پاتا، محبت کا طریقہ سمجھا پاتا۔ وہ خود غرض انسانوں کی محبت تھی جس نے ان دو انسانوں کو ہی فائدہ پہنچایا تھا۔ آخر تک بھی ریاض الدین اور نیلوفر نے وہ منتخب کیا اور دیکھا جو انہیں چاہیے تھا۔ ان کی نظر اور سوچ اس سے آگے جاتی ہی نہیں تھی۔

ہارن کی آواز پر وہ اپنے خیالوں سے باہر آئی اور ایک طرف ہو گئی۔ ہارن پھر بجا۔ وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ تیسرے ہارن کے ساتھ کار اس کے پاس آ رکی۔ اس نے گردن موڑی۔

شیشہ نیچے کیے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں بتانا تھا میں نے کسی کو لفٹ دینے کے لیے آج بھی بکنگ کینسل کی ہے۔" پتا نہیں وہ پہلے ہنسی تھی یا آنسو پہلے چھلکے تھے۔

☆☆☆

"میں نے سوچا تھا تم سے وہ سب اگلواؤں گا جو تم سے مجھے سننا تھا لیکن اب......"

"یعنی مجھے حاصل کرتے ہی میری اہمیت ختم ہو گئی؟"

"اب بھی میرے پاس تم سے کہنے کے لیے بہت کچھ ہے تو میں سوچ رہا ہوں تمہیں سنوں یا سناؤں؟"

"تا ثیر! تمہیں کیوں لگتا ہے تم کہو گے تبھی وہ مجھ تک پہنچے گا؟"

"یعنی تم کہہ رہی ہو تم بہت پہنچی ہوئی چیز ہو۔۔۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے چوڑیاں ادھر ادھر کر رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔

"تم نے اس رات جو کہا تھا ناں سچ کہوں میں اب تک اس سے باہر نہیں نکلا ہوں۔"

"اگر امینہ نہ آتی، بھائی کو اس سے محبت نہ ہوتی تو میں واقعی مر جاتی مگر تمہارے آگے زبان نہیں کھولنی تھی اس لیے تم اپنی بہن کا احسان مانو۔"

"تم ایک احسان کرنا کہ یہ بات اس کے سامنے مت کہہ دینا۔" اس نے مسکین صورت بنا کر اسے دیکھا لیکن وہ اس کے شانے کے اوپر سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"ارے یہ کھڑکی کھلی کیسے......؟" وہ اٹھا لیکن اس سے پہلے تیزی سے ثمینا اٹھ کر دروازے کی طرف گئی۔

☆☆☆

"پہلے تم مجھے بالکل اچھی نہیں لگی تھیں اور پھر تم سے محبت ہو گئی۔" وہ اسے سامنے بٹھا کر بولا بھی تو کیا۔

"یعنی درمیان کا اچھا لگنے والا دور آیا ہی نہیں؟" وہ ناراض نہیں ہوئی۔

"نہیں، تمہاری زندگی میں آیا تھا؟"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"مجھے سیدھے محبت ہی ہو گئی تھی۔"

"مطلب...... دیکھتے ہی؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"پتا نہیں مگر تمہیں دیکھتے ہی جو میں نے فیل کیا وہ یہی تھا جو اب محسوس کرتی ہوں، اس وقت نہیں جانتی تھی لیکن اب یقین ہے وہ بھی محبت تھی۔ یہ بھی محبت ہے۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں انگریزی کا ایک



Scanned with CamScanner

جملہ نہیں بول سکتا۔" اس نے چھیڑا۔
"میں سکھا دوں گی۔"
"میں بہت کند ذہن بھی ہوں۔"
"میں محنت سے نہیں گھبراتی۔"
"میں استادوں سے گھبراتا ہوں۔" سفیر نے اس کا مہندی سے سجا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
"گھبراہٹ دور کرنے کا نسخہ بھی ہے میرے پاس" اس نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا۔
"نیم حکیم خطرہ جان۔" سفیر نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔
"جان ہی میرے قبضے میں ہوگی تو ایسے خطروں سے گھبرانا چہ معنی دارد۔"
"آخری الفاظ کا مطلب بھی سمجھا دو۔"
"پہلی بات سمجھ گئے ناں' بس وہی کام کی ہے۔" تب ہی سُنینا دروازہ کھول کر ان کی طرف آئی۔
"یہ تو پاگل ہے لیکن بھائی آپ بھی؟" وہ صحن میں پلنگ پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔ تائب اسے روکتا پکڑتا اس کے پیچھے تھا۔
"پاگل تو تم ہو' باہر کیوں آئیں اس حلیے میں؟" دلہن بنی سُنینا کو دیکھ کر وہ نیچے اتری۔
"یا اللہ! اپنا حلیہ بھی دیکھ لو، میں اکیلی دلہن نہیں یہاں۔"
"آں......" دلہن وہ بھی تھی لیکن ان دونوں کی آرائش میں فرق تھا۔ یہ فرق دولہوں کی پسند کا تھا۔ سُنینا کا بھاری لہنگا تھا' اس کا نازک اور کم کام والا۔ زمین کو چھوتی انارکلی فراک۔
"بھائی! آپ جائیں اسے لے کر اندر۔ ابھی امی یا کوئی اور جاگ گیا تو......" اس نے بھائی کو حکم دیا۔ تب ہی تائب جارحانہ انداز میں آگے آیا۔
"تم نا مجھے آج بھی سکون مت لینے دینا، اسی لیے میرا کمرہ چینج کروایا تم نے؟"
اس کی تو پوں کا رخ اینہ کی سمت تھا۔
"نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے، کمرہ اس لیے......"
"بس ......" سُنینا نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو روکا۔
"تم دونوں شروع ہوئے نا تو میں بھائی کو لے کر ادھر......" اس نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ "چلی جاؤں گی۔" دھمکی کافی کارگر تھی۔ دونوں چپ ہو گئے۔
ہم جا رہے ہیں۔ سفیر نے آگے آ کر اینہ کا ہاتھ تھاما۔
"چلو۔" تائب نے اس کے پیچھے بازو پھیلائے اور اپنے صحن کی طرف بڑھا۔
"لیکن میں نے کمرہ......" ابھی دو قدم ہی چلے تھے کہ وہ پلٹ کر کہنے لگی۔
اس کی آواز سن کے تائب بھی کڑے تیوروں سے پلٹا تھا۔ سُنینا نے اسے گھورا پھر اپنا ہاتھ چھڑا کر سفیر کے پاس آئی اور اسے کھینچتے ہوئے اپنے گھر کے ہال میں داخل ہوئی اور دروازہ بند کر لیا۔
ان دونوں کے منہ کھلے رہ گئے، یہ تو سوچا ہی نہیں تھا معصوم اور بھولی بھالی سُنینا واقعی ایسا بھی کر سکتی ہے۔
اگلے پل وہ دونوں دروازے کے باہر باقاعدہ ہاتھ جوڑے دبی آواز میں اپنے امن کی فاختائیں ہونے کی دلیلیں دے رہے تھے اور اندر وہ دونوں مزے لے کر مسکرا رہے تھے۔
ایک جوڑی لڑاکا اور ایک جوڑی صلح جو بھائی بہن کی نئی زندگی کی ابتدا ہو چکی تھی۔
☆☆

**سرورق کی شخصیت**

ماڈل ...... حانیہ امجد
میک اپ ...... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ...... موسیٰ رضا



UUNovels.
Scanned with CamScanner